حدیث

محمد اظہر مدنی

خدمت خلق کی ترغیب

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: أن رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم : أی الاسلام خیر؟ تطعم الطعام، وتقرأ السلام، علی من عرفت، وعلی من لم تعرف. (صحیح البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی بات بہتر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بھوکے) لوگوں کو کھانا کھلاؤ، اور اجنبی وغیر اجنبی سے سلام کرو۔ (صحیح بخاری)

نماز، روزے، حج اور زکوۃ کے احکام کی طرح غریبوں، ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا بھی عبادت کا کام ہے اور اس کو بڑے ثواب کا کام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں اس کو مومنوں کی خوبی کہا گیا ہے۔ وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا (سورہ الدھر:۸)

بھوک کی نوبت اس وقت آتی ہے جب روزگار کے وسائل اور مواقع کم ہوجاتے ہیں۔ خرچ کے وسائل بڑھ جاتے ہیں اور آمدنی کے وسائل مسدود ہوجاتے ہیں۔ غربت انسانی زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ عالمی سطح پر بھی بھکمری کی قابل رحم چشم کشا خبریں آتی رہتی ہیں۔ سماج کے غریب اور ضرورت مندوں کی مدد کے مختلف طریقے ہیں بہت سی رفاہی تنظیمیں اپنے اپنے دائرہ کار کے مطابق کام کررہی ہیں۔ کچھ غریبوں تک دوا علاج پہنچانے کا کام کررہی ہیں تو کچھ موسم کے اعتبار سے لباس کا انتظام کرتی ہیں، اور کچھ تنظیمیں صرف بھوکوں کو کھانا کھلانے پر توجہ دے رہی ہیں۔ یقیناً اس طرح کا کام عوام سے اپنا تعلق اور رابطہ مضبوط کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسلام نے غریبوں، ضرورت مندوں اور بے کسوں کی مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس حدیث میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔'' کی تلقین کر کے خدمت خلق کی ترغیب دی ہے۔ کسی بھی تنظیم کے لئے عوام سے قریب ہونے کے لئے یہ بہت ہی کارگر طریقہ ہے لیکن یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ خدمت خلق کا یہ طریقہ ختم ہوتا جارہا ہے اور جو وسائل ان نیک کاموں میں خرچ ہونے چاہیے تھے بے مصرف قیمتی سامان خریدنے اور دیگر لایعنی کاموں میں خرچ ہورہے ہیں۔

مذکورہ حدیث کے دوسرے جملہ میں سلام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ دیگر احادیث میں بھی سلام کرنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ بات کا آغاز کا کرنے کا سب سے بہتر طریقہ ہونے کے ساتھ ساتھ دعا بھی ہے۔ سلام کرنے والا دوسرے کی سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ اس سے ایک دوسرے کے اندر محبت اور الفت پیدا ہوتی ہے ایک دوسرے سے قریب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ایک حدیث میں سلام کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے الفت ومحبت نہ کرو۔ اللہ کے رسول نے مزید فرمایا کہ کیا میں کو تمہیں ایک ایسا کام نہ بتاؤں کہ جس کو اپنانے سے تم لوگ آپس میں محبت کرنے لگو گے، وہ یہ ہے کہ تم لوگ آپس میں سلام کرو اور سلام کو پھیلاؤ۔ قرآن کی اس آیت سے سلام کی اہمیت مزید واضح ہوجاتی ہے۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورہ نور:۶۱) ''پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرلیا کرو، دعائے خیر ہے جو بابرکت ہے اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یوں ہی اللہ تعالیٰ کھول کھول کر تم سے اپنے احکام بیان فرمارہا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔''

چاہے بھوکوں کو کھانا کھلانے کا معاملہ ہو یا سلام کرنے کا، دونوں ثواب کا کام ہونے کے ساتھ ساتھ سماج سے جڑنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم تمام لوگوں کو اسلام کی ان دو اہم تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
محبت اور ہم آہنگی قرآن وحدیث کی روشنی میں	۷
یوم جمعہ کی اہم خصوصیات	۱۱
زیارت مدینہ منورہ-فضائل، احکام وآداب	۱۴
شرعی احکام پر عمل کریں	۱۸
عطیات میں اولاد کے درمیان انصاف	۲۲
وہ افتخار بزم افاضل نہیں رہا۔شیخ محمد بن عبدالقیوم مدنی بنارسی کی یاد میں	۲۴
جماعتی خبریں	۲۳
اپیل	۳۱
کلینڈر ۲۰۲۴ء	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

ابو مصلح الکریمی

ناموسِ انسانیت اور احساس کی شدت

جب اہل زمین چاہ لیتے ہیں کہ دنیا والوں کو اپنا غلام بنالیں اور ان کو پستی وکمزوری کی انتہا تک پہنچادیں تو وہ اس کے لئے تمام طرح کی کوششیں صرف کرنے لگ جاتے ہیں، سازشوں اور ظلم وزیادتی کی تاریخ رقم کرنے لگتے ہیں اور مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔اس وقت مشیت الٰہی جوش میں آجاتی ہے اور رب چاہتا ہے کہ غریبوں کی مدد کروں، کمزوروں کو طاقت دے دوں اور ان کو قیادت وسیادت اور امامت سونپ دوں اور جو زمین ان پر تنگ کردی گئی تھی اور ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' کی کیفیت سے دوچار ولاچار اور نادار بنادیئے گئے تھے، انہی کو زمین کا وارث وخلیفہ بنادوں۔ذرا اللہ جل شانہ کے ارشادات پڑھو اور غور کرو۔اگر ایمان واسلام اور دین ویقین کا کوئی ذرہ تمہارے قلوب واذہان اور صدور وجنان میں باقی رہ گیا ہے تو موسیٰ وفرعون کا واقعہ جو میں بیان کررہا ہوں یقیناً تمہیں فائدہ پہنچائے گا، تمہاری ڈھارس بندھائے گا، تمہاری صفوں میں اتحاد پیدا کردے گا، تمہارے دلوں کو مضبوط کردے گا، قوتِ عمل کو مہمیز کرے گا اور تمہیں بہت سے اندیشہائے دراز ومصالح مرسلہ عظام اور مداہنت مہلکہ جسام سے نجات دلادے گا۔خوف ودہشت اور رنج وغم کی حالت وکیفیت سے نکال کر تمہیں امن واطمینان، فرحت وانبساط اور کیف وسرور سے سرشار کردے گا۔شرط یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو ایمان رکھنے والی اور مان جانے والی قوم ثابت کردو۔

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشتے پری داری
بیا! من با تو آموزم طریق شاہبازی را

کاہنوں اور نجومیوں کے کہنے پر، یا ابراہیم علیہ السلام کی پیشین گوئی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو فرعون کی سطوت وجبروت کے خاتمہ کا سبب بنے گا، کی پاداش میں فرعون یہودیوں کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کردیتا تھا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔اس احمق کو اتنی بھی عقل نہ تھی کہ اگر یہ کاہن ونجومی سچے ہیں تو بچوں کو تمہارے قتل کرنے سے کیا فرق پڑے گا، تمہاری ہیکڑی تو نکلنی ہی ہے کیونکہ پیش گوئی اور کہانت سچی ہے تو ہوکر رہے گی اور اگر ان کی یہ بات اٹکل پچو ہے تو پھر تمہارے اس بیجا قتل کا کیا مطلب؟ لیکن ظالم کی مت ہمیشہ ماری رہتی ہے تا آنکہ وہ خود نہ مرجائے۔

ارشاد الٰہی ملاحظہ کرو، ذرا دل تھام کے بیٹھو، قلب ودماغ کے دریچے وا کرو، ہوش کے ناخن لو، قلب وجگر میں وسعت پیدا کرو اور گھٹن کی دنیا سے نکلو اور دل کی دنیا میں اسے سمولو۔ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (القصص:۴) ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا (اور) ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ بے شک وشبہ وہ تھا ہی مفسدوں میں سے''۔

بیشک فرعون نے بڑی سرکشی کی، بڑے تانڈو مچائے، لڑاؤ اور حکومت کرو کے فارمولے اپنائے اور تم احمق بنے آپس میں بٹ اور کٹ گئے، ٹولیوں اور گروہوں میں تقسیم ہو کر ضعف واضمحلال کے شکار ہو گئے اور اس نے تمہیں جان بوجھ کر ایسا کر دیا ہے۔ اب جیسے چاہتا ہے تم جیسے غلام صفت لوگوں کو اپنے غنڈوں سے سرراہ، ہر گلی، نکڑ اور چوراہے پر پٹواتا ہے اور قتل کراتا ہے۔ اس کے مظالم وعدوان اور سرکشی کا ذکر کس حد تک کیا جائے؟ اس کے بارے میں بس اتنا جان لو کہ وہ دنیا کے اہم فسادیوں میں سے یکتا ویگانہ ہے اور ظلم وطغیان کا دیوانہ ہے۔ انہ کان من المفسدین ۔ اس کے بارے میں یہ فیصلۂ قرآنی ہے۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کی سنت اور کرم فرمائی ہے کہ وہ ظالموں کو بھی ڈھیل دیتا رہتا ہے، چونکہ وہ بھی اس کے بندے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں مہلت دیتا ہے اور بندگی بجالانے اور زمین پر فساد مچانے سے باز آنے، اپنے کئے پر پچھتانے اور توبہ ومناجات کرنے پر وہ انہیں بخش دیتا ہے، لیکن بایں ہمہ فرصت، مہلت اور موقع ومحل عطا فرمانے کے بعد بھی جب وہ نہیں سنبھلتا اور رب کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اپنے کرتوتوں اور ظلموں پر مہلت کو خاطر میں نہیں لاتا، مزید سرکش ہوتا جاتا ہے، اپنے ناروا تصرفات اور مفسدانہ اعمال سے دنیا کو جہنم بنا دیتا ہے اور اللہ کی دھرتی پر ظلم وزیادتی کی انتہا کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی چاہت اس بندے کے سلسلہ میں بدل جاتی ہے۔ اب پستی میں گری ہوئی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کو ذلت سے نکال کر رفعت وسربلندی، سرخروئی اور آزادی عطا فرماتا ہے۔ ظالم کو نیست ونابود کر دیتا ہے اور مظلوموں کو زمین کا وارث ومالک بنا دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت اور دولت کو اس کے بندوں پر خرچ کرتے ہیں، اس کا گن گاتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی زمین پر بڑی خاموشی، تواضع اور وقار کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں۔

وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ (القصص:۵) ''پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انھیں کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں گے۔ اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت واختیار دیں اور فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔''

کمزور، پسماندہ اور مظلوم قوموں کا وطیرہ اور سنت رہی ہے کہ وہ دشمن کی چالوں اور ظالموں کے پنجوں سے نکلنے کے لئے فوراً ایک جٹ ہو جاتی ہیں، ایک آواز پر سب لبیک کہنے لگتی ہیں، اپنے ہر طرح کے ذاتی مفادات ومصالح کو بالائے طاق رکھ دیتی ہیں اور ظلم کے خلاف اٹھ کھڑی ہونے میں ان کی دورائیں نہیں ہوتیں۔ تب اللہ جل شانہ ان کمزوروں کو قوت بخش دیتا ہے، دنیا کو اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتا ہے، معجزات وکرامات ظاہر ہونے لگتے ہیں اور کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله (البقرة :۲۴۹) کا سماں بندھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ مظلوموں کو ایک جٹ کر کے اور ظالموں کو نیست ونابود کر کے امامت وقیادت کمزوروں کو سونپ دیتا ہے، ان کو امام زمانہ، حاکم وقت اور سلاطین وملوک ٹھہرا دیتا ہے، دولت وسلطنت ان کے حوالہ کر دیتا ہے اور زمین کی وراثت ان کو سونپنے کے ساتھ اس پر ان کا غلبہ اور تسلط جما دیتا ہے۔

دیکھا آپ نے؟ ایک قوم کس طرح سالہا سال سے ماری ہوئی، ستائی ہوئی، غلام بنائی ہوئی اور مظلوم ومقہور زندگی گزار رہی ہے، اس کی نسل کشی کر دی گئی ہے اور بظاہر ترقی وتعمیر اور نہوض وظہور کے سارے راستے مسدود ومعدوم ہیں اور اس کے برعکس دوسری طرف غلبہ وسطوت اور قوت کی فراوانی ہے۔ تدبیر، ترتیب اور سیاست اعلیٰ درجے کی ہے۔ پیش بندی وحفظ ماتقدم کا عالم یہ ہے کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری'' کی ساری ترکیبیں اپنائی جاری ہیں، مگر جب یہ ظلم حد سے بڑھتا ہے اور دوسری طرف خوف الٰہی، فرض منصبی اور عدل وانصاف کی فکر دامن گیر ہوتی ہے تو تقدیر تدبیر پر غالب آجاتی ہے اور ظالم کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، ہزار منطق بگھارنے کے باوجود فکر خطا کر جاتی ہے، ذہن ودماغ سے چوک واقع ہو جاتی ہے اور جس بھیانک رؤیا کے شرمندہ تعبیر ہونے سے بھاگتے ہیں وہ واقع ہو کر رہتا ہے۔ ظلم کی ٹہنی کبھی نہیں پھلتی، مزید پھل پھول نہیں دے سکتی اور یہ تو ضرب المثل اور مقولہ مشہور ومعروف بن چکا ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھتا ہے تو موسیٰ کوئی پیدا ہوتا ہے اور ''ہر فرعونے راموسیٰ''۔

بنی اسرائیل کے قتل کے واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سے پیش آتے رہے اور یہ سلسلہ دراز سے دراز ہوتا رہا اور سلجھنے کے بجائے بڑھ ہی رہا تھا۔ایسے میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی فرعونی کا قتل ہوجانا ملک ومعاشرے میں کوئی ایسا منکر عظیم اور حیرت انگیز قتل بیجا وجرم کبیر نہ تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام اتنا پریشان وبے چین ہوجاتے۔لیکن ایک جان کے چلے جانے پر گرچہ وہ دشمن اور ہٹ دھرم قوم کا فرد ہے، حددرجہ افسوس ہے۔کیوں کہ جان جان ہے۔ ایک اچھے انسان، ایک اللہ سے ڈرنے والے انسان ،ایک نبی اور ایک بے داغ انسان کے لئے کسی کا قتل کردینا سوہان روح ہے،خواہ وہ خطاً ہی کیوں نہ ہو۔اس لیے کہ کسی کا ناحق قتل بذات خود بڑی بات ہے۔کسی انسان کا عمداً قتل کردینے والا ساری انسانیت کا قاتل ہوتا ہے۔کیونکہ اس جرم عظیم کی وجہ سے روئے زمین پر فتنہ وفساد پھوٹ پڑتا ہے، انسانی جانوں اور مالوں کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو معصوم ہوتے ہیں اور جن کی جوانی اور زندگانی انتہائی سادہ وپاکیزہ ہوتی ہے،ان میں سے کسی کے سفید وپاک جسم پر ایک دھبہ خواہ وہ انجانے میں لگ رہا ہو، یا ان پر معاشرے کے سب سے بہتر کام ،ہاں نماز سے بھی، روزہ سے بھی ،تہجد ونوافل سے بھی بسا اوقات کئی درجہ بہتر کام یعنی صلح وصفائی ،اصلاح بین الناس اور اصلاح ذات البین کی کوشش کی وجہ سے فساد فی الارض کی سب سے بڑی وبری قسم قتل کا الزام لگ جائے، اس پر کیا گزرے گی؟خصوصا وہ جو وقت کا فرستادہ اور مقرب ومصطفیٰ ہو، جسے کلیم اللہ بننا ہو اور جو اولوالعزم رسولوں میں سے ہو،خود اس کی طرف انگلی اٹھ جائے تو اس پر کونسا کوہ گراں گرے گا، اس کا اندازہ کوئی لگا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دوسری جانب اپنے رب سے محبت ہے۔جس پر انوار وبرکات الٰہی کا نزول تسلسل اور تواتر کے ساتھ ہمہ وقت ہورہا ہے۔ساتھ ہی جس کو ذات پاک نے مخلوق میں سب سے افضل انبیاء کرام علیہم السلام کے زمرۂ کبری میں داخل فرمالیا ہے ،تو وہ اسی قدر پاک وصاف اور بے داغ وبے ضرر بھی ہوتا ہے، بلکہ قوم وانسانیت کا سب سے بڑا بہی خواہ،سب سے زیادہ محسن اور سب سے بڑھ کر مرشد ومقتدی اور اسوہ ہوتا ہے۔اس کا وجود اہل زمانہ ودہر اور ملک کے لئے رحمت ہی رحمت ہے اور جو خالص طور پر اپنے رب کے حضور سرخ رو، کامیاب اور عبادت گذار ہوتا ہے وہ خود ہی کسی کی موت کا ذریعہ بن جائے ،اس کا کیا حال ہوگا؟ چنانچہ سب سے زیادہ اضطراب اس امر پر بھی ہے کہ رب کریم وعظیم کے حضور کیا عذر ومعذرت پیش کروں گا؟ منت وسماجت، دعا وابتہال ،تضرع واستغفار،طلب امن وامان اور گناہ سے نجات کی فکر موسی علیہ السلام سے زیادہ کس کو ہوسکتی ہے ؟چنانچہ موسیٰ علیہ السلام قبطی کے قتل ہوتے ہی برجستہ وبے ساختہ پکار پڑے کہ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ (سورہ قصص:۱۵)’’موسی کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے ،یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔‘‘

حضرت موسی علیہ السلام نے محض اتنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ آئندہ بھی کسی مجرم کا مددگار ہونے سے انکار کیا، پناہ مانگی اور دوبارہ کبھی ایسا کام نہ کرنے کا عزم دہرایا۔

عام انسانی زندگی میں دیکھیں تو اس طرح کے واقعہ کو لوگ ایک ظالم قوم کے ایک فرد سے انتقام لینے کا شاخسانہ کھڑا کردیں گے۔کہ جس کے بچے پیدا ہوتے ہی قتل کردیئے جاتے ہوں اور جس کو سرراہ مارا جاتا ہو، بھلا کیا اس کے لئے جواز نہیں ہوسکتا کہ وہ بھول چوک ، یا عجلت اور غصہ میں میانہ رو اور نارمل نہ رہ سکا ہو، دشمن قوم کا فرد ظالم ہی تو ہے مگر موسی علیہ السلام اس کو شیطانی عمل وحرکت بتا رہے ہیں۔مظلوم قوم کا فرد جس کے سبب یہ سب کچھ ہوا، گو کہ اپنا ہے،مگر اسے کھلا غوی وگمراہ کہہ رہے ہیں۔

اس واقعہ کا ایک تیسرا پہلو بھی ہے جسے دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔وہ یہ کہ حالات جتنے بھی خراب ہوں’’ تنگ آمد بجنگ آمد‘‘ کی بات بھی نہیں دہرانی چاہیے۔جینے ،کھانے اور رہنے کا تو عام حالات میں بھی کوئی اختیار وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے۔پائی پائی کے لئے ،لقمہ عیش کے لئے اور ایک ایک بوند پانی کے لئے ہم اپنے دشمن اور غاصب کے محتاج اور دست نگر ہیں، اپنی بے حسی یا مصلحت پسندی سے تھک ہار کر بیٹھ چکے ہیں اور کار جہاں دراز سے دراز تر ہے۔ایسے میں کسی کو قتل کرکے کہ ہم مظلوم ہیں ایک فتنے کو جنم دینا ہے اور ظالم قوم کے لیے مظلوموں کو مزید مارنے ،جلانے ،ختم کرنے ،نسل کشی کرنے اور زمین سے بھی بے دخل کردینے کے مواقع اور جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے۔کیا مظلومین انجانے میں اس کے مرتکب تو نہیں ہورہے ہیں۔ظالم تو اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا ہی۔فرعون بھی اپنے کیفر کردار تک پہنچ کر رہا۔جب مکمل انخلائے سرزمین مصر کی بات آئی ،یعنی ایک طرح سے کسمپرسی کی انتہا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مع قوم کے غرق کردیا۔یہ سب دھیان میں رکھنا چاہیے۔ذکر الٰہی ،اعوان وانصار کی تلاش ،سرکش سے امان اور اس کے ظلم وتعدی اور منہج ومزاج سے واقفیت ضروری ہے کہ وہ موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کب ذلیل کرے اور کب نسل کشی کرے؟ایسے میں کبھی نرمی سے کام لیتا ہے،فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (سورہ طہ:۴۴) کا فارمولا بھی اپناتا ہے۔بلکہ عام حالات میں بھی یہی اسوۂ انبیاء اور رحمۃ للعالمین اور طریق ابراہیم ہے۔صرف ’’مردناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر‘‘ کہہ کر فرعونیوں کے مقابلے تن جانا اسوہ

پیغمبری اور طریق راہ نبوی وسروری نہیں ہے۔خصوصاً ایسے وقت میں کہ اپنی صفوں میں مفاد پرستوں، منافقوں، موقع پرستوں اور مجوسیوں کی کمی نہیں۔زبانی جمع خرچ ، بیجا چیخ وپکار اور کھوکھلے نعرے مگر دشمن کو موقع فراہم کرنے والی للکار سے کون واقف نہیں ہے۔ایسے میں اپنے ملکی دینی اور بین الاقوامی تمام امور میں حضرت موسی علیہ السلام کے طریقے کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔یہاں ''شرع من قبلنا شرع لنا أم لا'' کی بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں۔خود خاتم النبیین محمد الأمین الصادق صلی اللہ علیہ وسلم سخت مظالم کے ایام میں ''صبرا یا آل یاسر'' کہہ کر گزر گئے۔کفار کے کون سے مظالم ہیں جنہیں مسلمانوں اور خود سید الاولین والآخرین ﷺ نے نہیں برداشت کیا۔وہاں تو کبھی ابوطالب مل جاتے ہیں اور کبھی تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہیں۔حمزہ رضی اللہ عنہ کی حمیت شباب پر ہے۔مطعم بن عدی جیسے محسن وسورما اٹھ کھڑے ہیں۔ابن دغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زور دے کر کہتا ہے کہ ''مثلك لا يخرج ولا يخرج''۔ اور جاہلیت اولی کی متخلف وپسماندہ، جاہل وغیر مہذب اور غیر متمدن قوم کے ظالم سردار کو خاندانی روایات اور ملکی وقومی اقدار واعذار کے خیال سے کبھی مکان کی عظمت، اس کا تقدس اور اس کی طرف نسبت داخلی وخارجی بہت سے اقدامات سے روک دیتی ہے۔مگر ہائے افسوس اور بصد تف کہ آج ترقی یافتہ دنیا، ترقی پذیر قومیں اور تہذیب وتمدن کے مدارج طے کرنے کے دعوے دار سب موجود ہیں۔مگر مظلوم ومقہور اور کمزور ہی ان کا نشانہ ہیں۔فرعون بھی قاتل کو تلاش کرنے اور اس کے شواہد ڈھونڈھنے کے لئے اجلاس بلاتا ہے اور مشورے کرتا ہے۔حالانکہ بنی اسرائیل اس کی گلی میں بستے ہیں اور وہ اس کے غلام ہیں، پھر بھی وہ اپنی تمام تر فرعونیت کے باوجود اپنے غلاموں پر مقدمہ چلانے کے لئے اور قاتل کو سزا دینے کے لئے اجلاس بلاتا ہے۔مگر آج کی مہذب دنیا، طرح طرح کے حقوق انسانی کے علمبرداروں، مجالس متحدۂ اقوام، حقوق نسواں اور مقدسات وشخصیات اور بوڑھے بچے سب کے ٹھیکیداروں کی بھرمار کے باوجود جنگل کا قانون عروج پر ہے۔بلکہ اس سے بدتر برتاؤ کے ساتھ مہذب دنیا دندنا رہی ہے۔پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے۔

الغرض نادانیاں عروج پر ہیں۔طالع آزمائیاں انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ظالم زمانہ فراعنہ مصر کو مات دے چکے ہیں۔نہ اخلاق بچا، نہ ایمان رہا، نہ ریت رہی نہ روایتیں۔یہ سب کب کی قصہ پارینہ ہوگئیں۔ دین ودھرم ڈھکوسلہ ثابت ہوا، سیاست واھواء پرستی اور نفس کی غلامی نے دینی، شرعی، اخلاقی اور ہر طرح کی مروت اور قانون سماوی وارضی اور دینیہ ووضعیہ کو پیروں تلے روند دیا ہے۔پھر اس کراہتی ہوئی انسانیت اور مظلوم دنیا کو قرار کیسے آئے؟ ایسے میں چھوٹے بڑے سب احساس ندامت اور فکر انسانیت کریں۔ذکر الٰہی ودعا میں مشغول ہوں۔ایسا اقدام نہ کریں جس سے مظلوموں کی تعداد بھی بڑھے اور ان کی مشکلات میں بھی اضافہ ہو۔

مختصر یہ کہ ایک ظالم اور دشمن قوم کے فرد کا بلا عمد قتل موسی علیہ السلام جیسے بلا کے ذی ہوش وحواس اور عدل وانصاف، ایمان ویقین اور خشیت الٰہی سے سرشار، قوی وامین، حکیم وعلیم اور حلیم کے لئے یقیناً سنگین معاملہ تھا۔اس لئے آئندہ کبھی لاعلمی، غلط فہمی، جوش اور ردعمل کے طور پر بھی کوئی حرکت سرزد نہ ہوجائے، مبادا اس انجانے میں وقوع پذیر ہونے والے عمل پر بے حد پچھتاوا ہو، اسے شیطانی حرکت سرزد ہونے سے تعبیر کیا۔خود اپنی برادری کے فرد ہونے کے باوجود اسے گمراہ، بدراہ اور کھلا بھٹکا ہوا بتایا۔اپنے نفس پر خود بخود ظلم ڈھانے والا بتا کر مغفرت کے طالب ہوئے اور آئندہ کسی بھی مجرم کی مدد کرنے سے بچنے، مزید احتیاط برتنے اور چوکنا رہنے کا وعدہ کیا اور دعائیں کیں۔حالانکہ فرعونی قبطی ظالم تھا، زیادتی کر رہا تھا، ظالم قوم میں سے تھا، جس کے مظالم کی داستانیں ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔خود موسی علیہ السلام اور ان کے خانوادہ کے لوگ اس کی دہشت گردیوں سے ہراساں تھے۔ایسے میں ایک ظالم کو ظلم سے روکتے ہوئے اگر وہ مر گیا تو ان کی نگاہ میں یہ کوئی بڑا مسئلہ اور گناہ کا کام نہیں ہونا چاہیے تھا۔وہ کھلم کھلا حربی نہ سہی ذمی بھی نہیں کہلا سکتا تھا۔کیونکہ موسی علیہ السلام کی قوم بنو اسرائیل میں رہنے والا وہ معاہد بھی نہ تھا، پھر بھی ایک ایسے ظالم وحشی کی موت پر آپ کو اس قدر پچھتاوا، اتنی ندامت اور اتنا احساس گناہ کیونکر تھا۔آپ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ قبطیوں اور فرعونیوں کا میرے ذمہ ایک جرم وگناہ بھی ہے جس کے وہ دعویدار بھی ہیں۔یہ سب احساس اور انجانے میں انجام دیئے گئے گناہ پر یہ فکر اور جوابدہی کا احساس آخر یہ کس چیز کو درشاتا ہے اور ہمیں اس سے کیا سبق ملتا ہے اور اس کے اندر کتنی طرح کی حکمتیں، مصلحتیں اور احکام پوشیدہ ہیں؟ کیا مجرد کسی قوم کے ظالم ہونے سے مار دھاڑ کا بازار گرم کیا جاسکتا ہے اور ان حالات میں انتقام اور بدلے کا اقدام کیا دانشمندانہ عمل ہے؟ حضرت موسی علیہ السلام کے اس واقعہ میں یقیناً درس عبرت وموعظت ہے۔فلسطین میں ناموسِ انسانیت کا ضیاع، املاک واعراض کا زیاں، ہمارا تحمس وہماری حرکت اور پھر انتقامی اقدامات اپنے اور غیروں کی بے حسی، بے ضمیری مہذب دنیا اور حقوق انسانیت کے علمبرداروں کے لئے ڈوب مرنے کی چیز ہے۔وہیں موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ناموس انسانیت کے تئیں شدت احساس اور احساس ذمہ داری کا سبق دیتا ہے۔فھل من مدکر

☆☆☆

محبت اور ہم آہنگی قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد محبوب الرحمٰن
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ دینیات، اے ایم یو، علی گڑھ

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو مدنی الطبع بنایا۔ وہ فطری طور پر اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ اس کو زندگی گزارنے کیلئے ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی اکثر ضروریات کا انحصار ایک ایسے معاشرہ پر ہے جس کے افراد آپس میں محبت اور بھائی چارہ سے زندگی گزارتے ہوں۔ ان کے درمیان محبت ومودت کے رشتے استوار ہوں۔ وہ اپنے معاشرتی مسائل محبت واخوت کی بنیاد پر حل کرنے کے خواہاں ہوں۔ ان جیسی دوسری بے شمار انسانی ضروریات کی وجہ سے اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات نازل فرمائی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے محبت وہم آہنگی کس حد تک ضروری ہے۔ آیات قرآنی کے علاوہ احادیث نبویہ میں محبت وہم آہنگی پر غیر معمولی طریقہ سے زور دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے لوگوں کو پیدا کیا، انہیں رزق دیا اوران کے معاملات کی تدبیر بھی فرمائی، فرمان باری تعالی ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۱۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اوراسی جان سے اس کا جوڑ ابنایا اوران دونوں سے بہت سے مرداورعورت دنیا میں پھیلا دئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہواور رشتے وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

مذکورہ آیت میں ایک طرف اللہ تعالی سے ڈرنے اوراس کی ناراضگی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اوردوسری طرف یہ بات ذہن نشیں کرائی گئی ہے کہ تمام انسان ایک اصل سے ہیں یعنی نوع انسانی کی تخلیق ابتداءً ایک فرد سے کی، جیسا کہ قرآن خود اس کی تشریح کرتا ہے کہ وہ پہلا انسان آدمؑ تھا، جس سے دنیا میں نسل انسانی پھیلی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۲۔

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اورایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو کنبوں اورقبیلوں میں تقسیم کردیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے پوری نوع انسانی کو خطاب کرکے اس عظیم گمراہی کی اصلاح کی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے، یعنی نسل، رنگ، زبان، وطن اورقومیت کا تعصب۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظرانداز کرکے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے، جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اپنا، اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے آپس میں ہم آہنگی کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس کے علاوہ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو مخاطب کرکے تین اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ ایک یہ ہے کہ تم سب کی اصل ایک ہے۔ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں، وہ درحقیقت اس ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں، جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس سلسلۂ تخلیق میں کسی جگہ بھی اس تفرقہ اوراونچ نیچ کیلئے کوئی معمولی سے معمولی گنجائش بھی موجود نہیں ہے، جس کے تم زعم باطل میں مبتلا ہو۔

۲۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہوجانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پوری روئے زمین پر موجود سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہوسکتا تھا۔ اس فطری فرق اور اختلاف کا تقاضہ یہ ہرگز نہیں تھا کہ اسکی بنیاد پر اونچ نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر کے امتیازات قائم کئے جائیں اور ایک نسل دوسری نسل پر فضیلت جتائے۔ ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل وحقیر جانیں اور ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جمائے۔ اللہ تعالی نے اس لئے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل میں مرتب کیا تاکہ سب مل کر زندگی کے سبھی معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکیں۔ مگر آج انسان نے اسے تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنالیا ہے جس کی وجہ سے نوبت ظلم وعدوان تک پہنچ گئی ہے۔ جبکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالی کا فرمان یہ ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۳۔

ترجمہ: جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ

اورزیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

۳۔تیسری انتہائی اہم حقیقت ہے کہ دو انسانوں کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہوسکتی ہے، تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے، اس لئے کہ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان ایک جیسے ہیں۔

محبت اور ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کیلئے سورہ آل عمران کے آیت نمبر ۱۰۳ر پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جس میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۴۔

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل میں الفت ومحبت ڈال دی اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالی اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے، شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔

مذکورہ آیت میں اس حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس میں اسلام سے پہلے اہل عرب مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شب وروز کے کشت وخون، جس کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست ونابود ہوجاتی۔ اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انھیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔

یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں، اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی شکل میں جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے، کہ اوس وخزرج کے قبیلے جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شیر وشکم ہو چکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسا بے نظیر ایثار ومحبت اور ہم آہنگی کا برتاؤ کر رہے تھے، کہ جس کی مثال آج تک دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسی طرح محبت اور ہم آہنگی کی تاکید میں اللہ تعالی نے کچھ خاص لوگوں کی صفات اس طرح بیان فرمائی ہیں کہ: **وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۵۔** ترجمہ: اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو۔

یعنی طعام کی محبت کے باوجود اللہ کی رضا کیلئے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔ خاص طور سے قیدی اگر غیر مسلم ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کی تاکید کی گئی ہے، جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کی بابت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کی تکریم کرو۔ چنانچہ صحابہ پہلے ان کو کھانا کھلاتے خود بعد میں کھاتے، جس کی وجہ سے کچھ دوسری قوم کے افراد صحابہ کرام کی خوبیوں سے متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں۔

جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے دشمنی تھی ان کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **عَسَى اللّٰهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيرٌ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۶۔**

ترجمہ: بعید نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن سے آج تم نے دشمنی مول لی ہے اور اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ غفور ورحیم ہے۔

یعنی ایسے لوگوں کو اسلام کی توفیق دے کر تمہارا بھائی اور ساتھی بنادے گا، جس سے تمہارے مابین عداوت، دوستی اور محبت میں تبدیل ہوجائے گی۔ چنانچہ درج بالا آیت کے نزول پر چند ہی ہفتہ گذرے تھے کہ مکہ فتح ہوگیا اور قریش کے لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور ان کے مسلمان ہوتے ہی آپس کی نفرتیں اور عداوتیں محبت میں تبدیل ہوگئیں اور جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے وہ دست وبازو بن گئے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے محبت اور ہم آہنگی کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۷۔

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ تعالی کی (تابعداری) طرف لوگوں کو بلائے اور (خود بھی) اچھے کام کرے اور کہے کہ میں بھی اللہ کا تابعدار ہوں۔ اور اے نبی! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہے، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جو عداوت میں پڑا ہوا ہے وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

اس آیت میں ایک بہت اہم اخلاقی ہدایت کی طرف اشارہ گیا ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو، یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا بدلہ صبر کے ساتھ، بیہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہوجائے گا اور خون کا پیاسا تمہارا گرویدہ اور جاں نثار ہوجائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے محبت اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کیلئے فتنہ وفساد سے روکنے کی تاکید کی۔ فتنہ وفساد صرف قتل وقتال، لڑائی جھگڑے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ لوٹ

مار، چوری ور ہزنی، ناپ تول میں کمی وغیرہ سے بھی فساد پھیلتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شعیبؑ کی قوم میں یہ بیماری عام تھی، جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی، اس لئے انہوں نے اپنے قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۸۔

ترجمہ: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، قیامت کے دن کی توقع رکھو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

اس لئے کہ اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں سے محبت نہیں کرتا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ۹۔

ترجمہ: اور زمین پر فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو، یقین مانو کہ اللہ تعالی مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بدسلوکی نہ کرو اور نہ معصیت کا ارتکاب کرو، اس لئے کہ ان تمام امور سے فساد پھیلتا ہے اور محبت اور ہم آہنگی ختم ہوجاتی ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۱۰۔

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لئے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ چکھادے گا، بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔

مذکورہ آیت میں خشکی سے مراد انسانی آبادیاں اور تری سے مراد سمندر، سمندری راستہ اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن وسکون، پیار ومحبت، تہہ وبالا اور ان کے عیش وآرام میں خلل واقع ہو۔ اس لئے اس کا اطلاق معاصی وسیئات پر بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کررہے ہیں، اللہ کی حدوں کو پامال اور اخلاقی ضابطوں کو توڑ رہے ہیں اور قتل وخوں ریزی عام ہوگئی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی قحط، کثرت موت، خوف اور سیلاب وغیرہ اللہ تعالی کی طرف سے بطور سزا وتنبیہ نازل ہوتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا وطیرہ بنالے تو پھر مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالی کی طرف سے انسانوں کے اعمال وکردار کا رخ برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے۔ امن وسکون، پیار ومحبت ختم ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ خوف ودہشت، سلب ونہب اور قتل وغارت گری عام ہوجاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی وسماوی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑ یا آفات الہیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے باز آجائیں اور توبہ واستغفار کرکے اللہ تعالی کی طرف پلٹ جائیں۔

اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الٰہی پر قائم ہو اور اللہ کی حدود کا مکمل خیال رکھا جائے، ظلم کی جگہ عدل وانصاف کا دور دورہ ہو، تو وہاں امن وسکون اور اللہ کی طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جب ایک بدکار یعنی فاجر آدمی فوت ہوجاتا ہے تو اس سے صرف بندے ہی راحت محسوس نہیں کرتے بلکہ شہر بھی اور درخت وجانور بھی آرام پاتے ہیں''۱۱۔

اسی لئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ: أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۱۲۔

ترجمہ: کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے برابر کردیں جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہتے ہیں، یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں۔

یعنی کیا تمہارے نزدیک یہ بات معقول ہے کہ نیک اور بد دونوں آخر کار ایک جیسے ہوجائیں؟ کیا یہ تصور تمہارے لئے اطمینان بخش ہے کہ کسی نیک انسان کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ اور کسی بدآدمی کو اس کی بدی کا کوئی بدلہ نہ ملے؟ ظاہر بات ہے کہ اگر آخرت نہ ہو اور اللہ تعالی کی طرف سے کوئی محاسبہ نہ ہو اور انسانی افعال کی کوئی جزا وسزا نہ ہو تو اس سے اللہ کی حکمت اور اس کے عدل، دونوں کی نفی ہوجاتی ہے اور کائنات کا پورا نظام ایک اندھا نظام بن کر رہ جاتا ہے۔ اس مفروضہ پر تو دنیا میں بھلائی کیلئے کوئی محرک اور برائی سے روکنے کیلئے کوئی مانع سرے سے باقی ہی نہیں رہ جاتا ہے۔ خدا کی خدائی میں اگر معاذ اللہ ایسی ہی اندھیر نگری ہو تو پھر وہ شخص بیوقوف ہے جو اس زمین پر تکلیفیں اٹھا کر خود صالح زندگی بسر کرتا ہے اور مخلوق کی اصلاح کیلئے کام کرتا ہے اور وہ شخص عقلمند ہے جو سازگار مواقع پاکر ہر طرح کی زیادتیوں سے فائدے سمیٹتا اور ہر قسم کے فسق وفجور سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۱۳۔

ترجمہ: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتہ ناطے توڑ ڈالو۔

یعنی اختیار اور اقتدار کا غلط استعمال کرو اور زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ کر باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو، اس میں فساد فی الارض کی عموما اور قطع رحمی کی خصوصا ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تاکید ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

نیک بندوں کے حق میں محبت کی فضا ہوتی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۱۴۔

ترجمہ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے بھلے کام کئے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کردے گا''۔

یہاں رحمٰن کا لفظ آیا ہے، یعنی ایسی محبت جس میں رحمت بھی شامل ہے۔ اللہ تعالی نیک بندوں کے حق میں محبت کی فضا کردے گا۔ اللہ تعالی ان کے لئے محبت دلوں میں پیدا فرمادے گا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں صحیح حدیث ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں بندے سے محبت ہے، تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اہل آسمان میں اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے اس لئے تم سب بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور زمین میں اس کے لئے مقبولیت لکھ دی جاتی ہے[۱۵]۔

آپس میں محبت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ سلام کو پھیلانا بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: **فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً** [۱۶]۔

ترجمہ: پس جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے نفسوں پر سلام کرو، یہ اللہ تعالی کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔

مذکورہ آیت میں سلام کرنے کی تاکید اور اس کی فضیلت وآداب کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ملاحظہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، چاہے تم اسے پہچانو یا نہ پہچانو[۱۷]۔

درج بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔ نیز ہر شناسا اور غیر شناسا کو سلام کرنا بھی اچھی صفت بتایا ہے۔ یہ دونوں کام ایسے ہیں کہ ان سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور نفرت وکدورت دور ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوعمارہ براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا۔ ایک بیمار کی مزاج پرسی کا، دوسری بات جنازوں کے پیچھے چلنے یعنی اس میں شریک ہونے کا، تیسرا چھینکنے والے کی چھینک کا جواب یرحمک اللہ کہہ کر دینے کا، چوتھا کمزور کی مدد کرنے کا، پانچواں مظلوم کی فریادرسی کرنے کا، چھٹا سلام پھیلانے کا، ساتواں قسم دلانے والے کی قسم پورے کردینے کا[۱۸]۔

اس حدیث میں مسلمانوں کے کچھ ایسے باہمی حقوق بیان کئے گئے ہیں، جن سے آپس میں محبت والفت پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کے درمیان ربط وتعلق میں اضافہ ہوتا ہے، مزید ایک دوسرے کے بارے میں احترام کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جاؤ گے، یہاں تک کہ ایمان لاؤ۔ اور تم مومن نہیں ہوگے، یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اسے اختیار کروگے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو[۱۹]۔

اس حدیث میں دخول جنت کیلئے ایمان کو اصل بنیاد ٹھہرایا اور اس کی تکمیل کیلئے مسلمانوں کے درمیان محبت اور باہمی محبت کیلئے سلام کے پھیلانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام: غرض یہ ہے کہ قرآن وحدیث، محبت اور ہم آہنگی، امن وامان اور رواداری کی تاکیدوں سے لبریز ہے۔ دنیا کی کوئی تاریخ ایسی شاندار مثالیں پیش نہیں کرسکتی، لہذا آج سخت ضرورت ہے کہ ہم اس سے سبق حاصل کریں اور ان خوبصورت نمونوں کو پیش نظر رکھ کر ایک خوبصورت سماج پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ نفرت اور کدورتوں کو مٹا کر محبت اور ہم آہنگی کو اپنے اندر پیدا کریں۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

حواشی

(۱) النساء: آیت نمبر: ۱ (۲) الحجرات: آیت نمبر ۱۳ (۳) المائدہ: آیت نمبر ۲ (۴) آل عمران: آیت نمبر ۱۰۳ (۵) الدہر: آیت نمبر ۸ (۶) الممتحنہ: آیت نمبر ۷ (۷) فصلت: آیات نمبر ۳۳۔۳۴ (۸) العنکبوت: آیت نمبر ۳۶ (۹) القصص: آیت نمبر ۷۷ (۱۰) الروم: آیت نمبر ۴۱ (۱۱) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، حدیث نمبر: ۶۵۱۲ (۱۲) ص: آیت نمبر ۲۸ (۱۳) محمد: آیت نمبر ۲۲ (۱۴) مریم: آیت نمبر (۱۵) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، حدیث نمبر ۲۳۵۹۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب اذا أحب اللہ عبدا حببہ الی عبادہ، حدیث نمبر: ۲۶۳۷ (۱۶) النور: آیت نمبر ۶۱ (۱۷) بخاری: کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام، حدیث نمبر: ۱۲ (۱۸) بخاری: کتاب الاستئذان، باب افشاء السلام، حدیث نمبر ۶۲۳۵۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال الذھب والفضۃ، حدیث نمبر: ۲۰۶۶ (۱۹) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب لا یدخل الجنۃ الا المؤمنون، حدیث نمبر: ۵۴

☆☆☆

یوم جمعہ کی اہم خصوصیات

شیخ عبدالباسط جامعی ریاضی

یوم جمعہ کے فضائل ومسائل کے علاوہ اس کی اہم خصوصیات بھی ہیں، جن کو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں سلسلہ وار گنایا ہے جن میں سے کچھ خصوصیات کا مندرجہ ذیل سطور میں تذکرہ کیا جارہا ہے۔ سنت یہ ہے کہ جمعہ کے دن کو انتہائی اہمیت دیتے ہوئے اس کی قدرومنزلت برقرار رکھیں، اس دن کچھ مخصوص عبادتیں ہیں جو دوسرے دنوں کے مقابل جمعہ کے لئے وجہ امتیاز ہیں۔

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ نماز جمعہ انتہائی موکد اسلامی فریضہ ہے، اس دن مسلمانوں کا سب سے بڑا مجمع ہوتا ہے، عرفہ کو چھوڑ کر دنیا کے سارے مسلمانوں کا مقررہ وقت میں اور کوئی اجتماع نہیں ہوتا، جو اس کو معمولی سمجھ کر اس کو جو چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، قیامت کے دن اہل جنت اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی قریب ہوں گے جتنے وہ جمعہ کے دن خطیب سے قریب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جمعہ کی نماز کے لیے کاروبار کو چھوڑ کر جانے کا حکم دیا ہے، جبکہ ایسی تاکید سوائے نمازِ عصر کے کسی اور نماز کے لیے نہیں، کیونکہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عبادت کے لیے مخصوص کیا ہوا دن ہے، سارے مسلمانوں کو اس میں حاضر ہونے کا حکم ہوا ہے، تاکہ لوگوں کو ہر ہفتہ مسلمانوں کی اجتماعیت نظر آئے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کا دن بار بار آنے والی ہفتہ کی عید ہے، اور یہ عید سال میں ترپن بار آتی ہے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابولبابہؓ کی حدیث نقل کی ہے جس میں رسولؐ کا ارشاد ہے کہ جمعہ کا دن سید الایام ہے، اللہ کے نزدیک اس کی بے حد عظمت ہے، یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی زیادہ یہ عظیم ہے، اس کی پانچ امتیازی خوبیاں ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ نے اس دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ (2) جمعہ کے دن ہی حضرت آدم کو زمین پر اتارا۔ (3) جمعہ کے دن ہی باوا آدم کی وفات ہوئی۔ (4) جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں بندے کی دعا قبول ہوتی ہے بشرط یہ ہے کوئی حرام چیز کی دعا نہ کرے۔ (5) جمع کے دن ہی قیامت آئے گی کیا کوئی مقرب فرشتہ، کیا آسمان، کیا زمین، کیا ہوائیں، کیا پہاڑ، کیا شجر وحجر سب لرزہ براندام رہتے ہیں، کہ کہیں قیامت نہ آجائے، کیوں کہ جمعہ کے دن ہی قیامت برپا ہوگی۔ (بخاری)

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے ذخیرہ کر رکھا تھا، اس امت سے قبل اہل کتاب اس دن کو نہ پا سکے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن سے بہتر دن پر آفتاب کا طلوع وغروب نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس دن کی جانب ہماری رہنمائی فرمائی، لہٰذا یہ لوگ اس بات میں ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں، جمعہ کا دن ہمارا ہے، سنیچر کا دن یہود کا اور نصاریٰ کا دن اتوار ہے، ایک دوسری روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ اس دن کو ہمارے لئے چھپا رکھا تھا۔ (بخاری)

ساری دنیا میں گنتی پیر کے دن سے شروع کی جاتی ہے، دنیا کے سارے کیلنڈروں میں اتوار کے دن چھٹی ہوتی ہے، پھر پیر سے گنتی شروع ہوتی ہے، اس حساب سے پہلے جمعہ آتا ہے تو اس کے بعد ہفتہ پھر اتوار، اہل کتاب آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی مسلمانوں سے پیچھے ہیں، یہ جمعہ کی خصوصیت ہیکہ جو امت آخر میں آئی جمعہ نے اس کو پہلے کر دیا۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح تمام مہینوں میں رمضان کا مہینہ، تمام راتوں میں شب قدر، تمام روئے زمین میں مکہ مکرمہ اور تمام مخلوقات میں محمد عربی اللہ کی جانب سے برگزیدہ بنائے گئے ہیں، اسی طرح جمعہ کا دن بھی یہ شرف رکھتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت رسول ﷺ سے یہ ہے کہ آفتاب جمعہ سے زیادہ افضل دن پر طلوع وغروب نہیں ہوتا، جن وانس کے سوا جو جاندار ہیں وہ جمعہ کے دن سے چوکنا رہتے ہیں۔ (جامع ترمذی، حسن صحیح)

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کا دن ایسا دن ہے کہ اس دن جہنم دہکائی نہیں جاتی، اس سلسلے میں حضرت ابوقتادہ کی روایت بھی ہے، جمعہ کے دن ایسا کیوں ہوتا ہے، یہ راز تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک جمعہ کا دن افضل ترین دن ہے، اس میں کثرت سے اطاعت وعبادت کے کام انجام پاتے ہیں، دعائیں ہوتی ہیں، گریہ وزاریاں ہوتی ہیں، اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ اس دن جہنم دہکائی نہ جائے، یہی وجہ ہے کہ دیگر ایام کے مقابل سوائے ماہِ رمضان کے اس دن مومنوں کے گناہ کم ہوتے ہیں۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن کثرت سے نبی کریمؐ پر درود بھیجنا مستحب ہے، آپؐ کا ارشاد ہے جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب مجھ پر بکثرت درود بھیجو، (سنن بیہقی)

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان مسواک تو روزانہ کرتا ہے، مگر جمعہ کے دن

غسل کے ساتھ اچھی طرح مسواک کرے پھر منہ کی صفائی کریں، اور اس کو روز کا معمول بنالے، اس کے بہت سے فوائد ہیں آدمی سو کر اٹھتا ہے تو اس کے زبان پر ہزاروں جراثیم جمع ہوتے ہیں، وہ مسواک کر کے زبان کو اور حلق کو صاف کرے گا تو صحت مند رہے گا ورنہ بیمار ہوگا، آپؐ روزانہ مسواک کرتے وقت ''اُغ اُغ'' کی آواز نکالتے تھے، جیسے کوئی قئے کرتا ہے، اس طرح آپؐ مسواک کے ذریعہ زبان کے ساتھ حلق کی بھی صفائی کیا کرتے تھے۔

آٹھویں خصوصیت: جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم ہے، اور بہت تاکیدی حکم ہے، بلاشبہ وتر واجب ہے، وضو میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، نماز میں عضو مخصوص چھونے، قہقہہ مار کر ہنسنے سے، نکسیر پھوٹنے سے، حجامہ کرانے اور قئے کر دینے سے وضو واجب ہوتا ہے، مگر ان سب سے عظیم تر واجب جمعہ کے دن غسل کرنا ہے۔ غسل جمعہ کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ (1) یہ کہ واجب نہیں (2) یہ کہ واجب ہے (3) یہ کہ جسم سے اگر بدبو پھوٹ رہی ہو تو واجب ہے، ورنہ مستحب۔ تینوں اقوال امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے ہیں۔

نویں خصوصیت: جمعہ کے دن نماز فجر کی تلاوت: نبی کریمؐ کی فجر میں سورہ الم سجدہ اور سورہ دھر پڑھتے تھے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جمعہ کی نماز فجر میں نبیؐ یہ دو سورتیں اس لیے پڑھتے تھے کہ ان کے اندر ماضی اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے، تخلیق آدم اور حشر ونشر کا مضمون بھی ہے، جو جمعہ کے دن پیش آئے گا ان دونوں کی تلاوت سے امت کو اس دن پیش آنے والے واقعات کی تذکیر مقصود ہے، ان سورتوں کا نماز فجر میں پڑھنا مستحب ہے، چنانچہ کسی کو یہ دو سورتیں یاد نہ ہوں تو قرآن مجید کی کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے، رسولؐ نے مخصوص نمازوں میں جو سورتیں پڑھی ہیں وہ مستحب ہیں، اور ان کا پڑھنا افضلیت کا سبب ہے۔

دسویں خصوصیت: جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنا: نبیؐ سے مروی ہے جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کی قیامت کے دن اس کے قدم کے نیچے سے آسمان کی جانب حدِّ نگاہ تک نور چمکے گا، جس کی روشنی میں وہ چلے گا اور دونوں جمعہ کے درمیان اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (حاکم)

گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن حتی المقدور مسلمان عمدہ ترین پوشاک پہنتا ہے، کیونکہ مسند احمد میں ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن جس نے غسل کیا، اور میسر ہوئی تو خوشبو لگائی، عمدہ ترین لباس پہنا، پھر انتہائی وقار کے ساتھ چل کر پیدل جمعہ کو آیا، پھر ہو سکا تو نماز پڑھی، کسی کو تکلیف نہ دی، پھر امام کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر نماز جمعہ تک خاموش رہا، تو اس کا یہ عمل دونوں جمعہ کے درمیان اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جمعہ کے دن منبر پر رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا، لوگو! کام کاج کے علاوہ اگر کوئی جمعہ کے دن یا روزانہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے کوئی دو کپڑے خرید لے تو کیا نقصان ہے؟

سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، آپؐ نے دیکھا کہ لوگ سفید اور سیاہ دھاریوں والے کپڑوں میں ملبوس ہیں، تو فرمایا لوگو کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ طاقت ہو تو جمعہ کے لئے اگر کوئی مزید دو کپڑے خریدے تو بہتر رہے گا۔ (یعنی جمعہ کی نماز کے لئے علیحدہ پاکیزہ لباس رکھیں)

بارہویں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان جمعہ کے دن خوشبو لگاتا ہے، کیونکہ خوشبو لگانا دیگر ایام کے بالمقابل افضل ہے، رسولؐ کو خوشبو بہت زیادہ پسند تھی، آپؐ نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں بہت پسند ہیں، ایک خوشبو، دوسرے عورتیں (بیویاں) اور تیسرے میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے (بخاری)۔

تیرہویں خصوصیت یہ ہے کہ چونکہ ہفتہ میں جمعہ کے دن کو وہی مقام حاصل ہے جو سال میں عید کا ہوتا ہے، اور جمعہ کی عیدیں سال میں 53 بار آتی ہیں اور عید میں نماز اور قربانیوں کا اہتمام ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن مسجد پہنچنے میں عجلت کرنے والے کو قربانیوں کا قائم مقام قرار دیا ہے، اس لئے مسجد میں سویرے پہنچنے والے کو صلوۃ اور قربانی دونوں کا ثواب ملتا ہے۔

چودہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ بدیوں کے کفارہ کا دن ہے، کفارہ وہ عمل ہے جو گناہوں کو مٹاتا ہے، جیسے پاؤں کو اگر کیچڑ لگ جائے تو پانی صاف کر دیتا ہے، اسی طرح کفارہ گناہوں کو صاف کر دیتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جمعہ کے دن جس نے غسل کیا کپڑے پہنے موجود ہو تو خوشبو لگایا پھر جمعہ کو پورے وقار کے ساتھ جائے، کسی کی گردن نہ پھاندے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، جو ہو سکے صلاۃ ادا کرے، پھر امام کے سلام پھیرنے تک خاموش رہے تو دونوں جمعہ کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

پندرہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کے لئے جانے والے اور اہتمام کرنے والے کو ہر قدم پر ایک سال کے صوم وصلوۃ کا اجر ملتا ہے۔ اوس بن اوسؓ رسولؐ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جس نے خوب اچھی طرح غسل کیا، اور بہت سویرے یعنی جلدی مسجد گیا، اور امام سے قریب ہو کر خاموش رہا تو اس کے لیے ہر اٹھنے والے قدم کے عوض ایک سال کے صوم وصلوۃ کا ثواب ملے گا، ایسا ثواب دینا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔ (مسند احمد)

سولہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کا دن ایسا دن ہے جس میں عبادت کے لیے فارغ رہنا مستحب ہے، اس دن کچھ واجب اور کچھ مستحب عبادتیں ایسی ہیں جن کی

بدولت اسے دیگر ایام کے بالمقابل فوقیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ملت کے اندر ایک دن دنیوی مشغولیتوں کو چھوڑ کر عبادتوں میں مصروف رہنے کا حکم دیا ہے، جیسے جمعہ، ہفتہ، اتوار۔

جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے، مہینوں میں جس طرح ماہ رمضان افضل ہے، اسی طرح دنوں میں یہ جمعہ کا دن ہے، ماہ رمضان میں جس طرح شب قدر ہے اسی طرح جمعہ کا دن بھی شب قدر جیسی برکت والا دن ہے۔

سترہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون یا سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ پڑھی جاتی ہے، نبی کریمؐ انہیں جمعہ کے اندر پڑھتے تھے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے اندر اس کا ذکر کیا ہے۔

اٹھارہویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن جمعہ کی نماز جہری ادا کی جاتی ہے، اس نماز کو دیگر تمام نمازوں کے مقابلے میں کچھ ایسی خصوصیات حاصل ہیں جو کسی اور نماز کو حاصل نہیں، مثلاً جمعہ کا خصوصی اجتماع کا ہونا، جمعہ کے لیے مقیم ہونے کی شرط، وطن ہونے کی شرط، باآواز بلند نماز میں قراءت کی ادائیگی، ان کے علاوہ نماز جمعہ کی شدید تاکید جس کی مثال عصر کے سوا کسی اور نماز میں نہیں ملتی۔ سنن اربعہ میں ابو جعد الضمری سے آپ کا ارشاد منقول ہے کہ غفلت سے جس نے تین جمعہ ترک کر دیے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، امام ترمذی نے اس کو حسن کہا۔

انیسویں خصوصیت یہ ہے کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، یہ بات امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے، کیونکہ اس کی دلیل میں مختلف حدیثیں وارد ہیں، صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جمعہ کے دن کسی کو روزہ رکھنا ہو تو ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھیں۔

بیسویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ جنت میں مومن بندوں کے روبرو جلوہ افروز ہوگا، اور مومن اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے قریب تر وہی ہوگا جو دنیا میں جمعہ کے دن امام سے قریب رہتا ہے، نیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی زیارت اس کو نصیب ہوگی جو جمعہ کو سب سے پہلے جاتا ہے۔ (مسند احمد)

اکیسویں خصوصیت جمعہ کے دن ایک قبولیت کی گھڑی ہے، اس گھڑی کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، آیا یہ گھڑی اب تک موجود ہے یا حیاتِ مبارکہ میں ختم ہو چکی ہے، علامہ ابن عبدالبرؒ نے دونوں کا ذکر کیا ہے، جو لوگ اس گھڑی کے اب تک باقی رہنے کے قائل ہیں اُن میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دن کے کسی خاص حصے میں ہے یا غیر معین وقت میں ہے پھر جو لوگ غیر معین کے قائل ہیں اُن میں بھی اختلاف ہے کہ یہ گھڑی دن کے مختلف اوقات میں منتقل ہوتی رہتی ہے یا نہیں؟ جو لوگ اس گھڑی کے معین ہونے کے قائل ہیں اُن میں بھی پندرہ (۱۵) اختلافی اقوال ملتے ہیں:

پہلا قول: ابن منذر فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ کا قول مروی ہے کہ یہ گھڑی طلوع فجر سے طلوعِ آفتاب تک اور صلاۃ عصر کے بعد سے نمازِ مغرب تک ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ گھڑی زوال کے وقت آتی ہے اور نمازِ جمعہ ختم ہونے تک رہتی ہے، ابن منذر نے اس قول کو حسن بصری اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ گھڑی اس وقت آتی ہے جب موذن جمعہ کی اذان دیتا ہے، یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ امام منبر پر خطبہ دینے کے لیے جب بیٹھتا ہے اس وقت سے لے کر خطبہ سے فارغ ہونے تک یہ گھڑی رہتی ہے، یہ حسن بصریؒ سے مروی ہے، (سامعین خاموشی سے خطبہ سنیں گے اور خطیب دورانِ خطبہ یا اختتام پر جو بھی دعا کرے گا اُس میں سب سامعین شامل ہوں گے) پھر دعا قبول ہوگی)۔

پانچواں قول ابو بردہؓ کا ہے کہ یہ وہی گھڑی ہے جس کا وقت اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کے لیے منتخب فرمایا ہے یعنی یہ وقت خطبہ شروع ہونے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہے۔

چھٹا قول ابوالسوار عدوی کا ہے، ان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ زوال آفتاب سے لے کر نمازِ جمعہ کے اختتام تک دعا قبول ہوا کرتی ہے۔

ساتواں قول حضرت ابوذرؓ کا ہے، ایک بالشت سے ایک ہاتھ تک آفتاب بلند ہو جائے تو اس کے درمیان یہ گھڑی ہوتی ہے۔ یعنی اشراق کے بعد سے آٹھ بجے تک۔

آٹھواں قول یہ ہے کہ امام کے خطبہ کے لیے نکلنے سے لے کر اختتامِ صلاۃ تک یہ گھڑی رہتی ہے، امام نوویؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

نواں قول یہ ہے کہ یہ گھڑی دن کے تیسرے پہر آتی ہے۔ یعنی بعد نمازِ جمعہ سے مغرب تک ہوتی ہے، صاحب المغنی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

دسواں قول حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ قبولیت کی گھڑی اب تک باقی ہے۔ اور جمعہ کے دن قبولیت کی یہ گھڑی قیامت تک باقی رہے گی جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی کی حیاتِ مبارکہ میں ختم ہوگئی وہ اپنے خیال کو درست کر لیں، بلاشک یہ گھڑی باقی ہے باقی رہے گی ان شاء اللہ۔

گیارہواں قول کعب احبار کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک جمعہ کئی جمعہ میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ گھڑی مل سکتی ہے۔ یعنی مسلسل کئی جمعہ محنت کرنے کے بعد یہ گھڑی ملتی ہے۔

بارہواں قول حضرت عمر بن خطابؓ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح جمعہ کی فجر سے مغرب تک دن بھر کسی ضرورت یا مقصد کو طلب کرتے رہنا آسان ہے۔ اس طرح جمعہ کے دن فجر سے مغرب تک کوشش کرنے سے یہ گھڑی بھی آسانی سے مل سکتی ہے۔

تیرہواں قول یہ ہے کہ عصر کے وقت سے لے کر غروبِ آفتاب کے درمیان یہ گھڑی ہوتی ہے یہ قول حضرت ابوہریرہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، عطا اور طاؤس رحمہما اللہ کا ہے۔

چودھواں قول یہ کہ یہ عصر کے بعد کی سب سے آخری گھڑی ہے یہ قول امام احمدؒ، جمہور صحابہ کرامؓ و تابعین عظام کا ہے۔

☆☆☆

مولانا عبدالولی عبدالقوی

زیارت مدینہ منورہ – فضائل، احکام وآداب

الحمد لله وحده والصلاة و السلام علي من لا نبي بعده و بعد:

مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کا دار الہجرت ،آپ کا ماوی ومسکن اور منبع رشد و ہدایت ہے،اس مبارک شہر کو مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے سنگم اوران کے ماوی وملجا ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، یہ محبوبِ انس وجن شہر بے پناہ فضائل اور خوبیوں کا حامل، کئی الگ الگ ناموں سے موسوم ہے جو اس کی شرافت وعظمت کی واضح دلیل ہے، یہیں سے نور ہدایت کی شعاع روشن ہوئی جس نے پوری دنیا کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا، ذیل میں اس مبارک شہر کے کچھ فضائل واوصاف اوراس کی زیارت کے بعض مسنون آداب پیش خدمت ہیں:

(۱) **فضائل مدینہ منورہ:** (۱)مدینہ منورہ بھی مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے،جیسا کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان ابراهيم حرم مكة و دعا لها و حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكةو دعوت لها في مدها و صاعها مثل ما دعا ابراهيم عليه السلام لمكة" ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اوراس کے لئے دعا فرمائی، میں بھی مدینہ کو اسی طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اوراس کے لئے اس کے مد اور صاع کی برکت کے لئے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔(بخاری۲۱۲۹ مسلم۱۳۶۰)

روئے زمین پر یہی دو شہر ہیں جنھیں اللہ رب العالمین نے حرم ہونے کا شرف بخشا ہے،ان کے علاوہ پوری دنیا میں تیسرا کوئی حرم نہیں ہے،حرم مدینہ کے حدود عیر پہاڑ سے لے کر ثور پہاڑ تک اور دونوں سیاہ پتھروں والے ٹیلوں کے درمیان والی جگہ ہے،جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**"إن ابراهيم حرم مكة و اني حرمت المدينة ما بين لابتيها لا يقطع عضاهها و لا يصاد صيدها"** ''میں دونوں سیاہ پتھروں والے ٹیلوں کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں، وہاں کے درختوں کو کاٹنا اور شکار کو قتل کرنا حرام ہے''۔(مسلم۱۳۶۲)

عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرمت والا شہر قرار دیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں، فلاں جگہ (عیر) سے فلاں جگہ (ثور) تک اس علاقہ کا درخت نہیں کاٹا جائے گا، جس نے اس شہر میں دین میں کوئی نئی بات پیدا کی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔(بخاری۳۰۶۷ مسلم۱۳۶۶)

(۲) مدینہ منورہ میں موت آپ ﷺ کی شفاعت کا باعث ہے،جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**"من استطاع أن يموت بالمدينة فليفعل فاني أشفع لمن مات بها"** ''جو شخص مدینہ میں مرسکتا ہو اسے ضرور مدینہ میں مرنا چاہئے کیوں کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا''۔(ترمذی۳۹۱۷)ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"لا يصبر على لاواء المدينة و شدتهاأحد من أمتي الا كنت له يوم القيامة شفيعا او شهيدا"** ''میری امت کا جو بھی فرد مدینہ منورہ کی مشقت وپریشانی اوراس کی سختیوں پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا''۔(مسلم ۱۳۷۸)

(۳) آخری وقت میں ایمان ساری دنیا سے سمٹ کر مدینہ میں پناہ لے گا:ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**"ان الايمان ليارز الى المدينة كما تأرز الحية الى جحرها"** ''ایمان مدینہ میں سمٹ کر اسی طرح واپس آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ کر آتا ہے''۔(بخاری۱۸۷۶،مسلم۲۳۳)

(۴) مدینہ منورہ میں طاعون کی بیماری نہیں پھیل سکتی اور نہ ہی وہاں دجال داخل ہوسکتا ہے:انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**"ليس من بلد الا سيطؤه الدجال الا مكة و المدينة ليس من نقابها نقب الا عليه الملائكة صافين يحرسونها ثم ترجف المدينة باهلها ثلاث رجفات فيخرج الله كل كافر و منافق"** کوئی شہر ایسا نہیں جسے دجال پامال نہیں کرے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے،ان کے ہر راستہ پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، جو ان کی حفاظت کریں گے، پھر مدینہ کی زمین تین مرتبہ کانپے گی جس سے ایک ایک کافر اور منافق کو اللہ تعالی اس سے باہر کر دے گا۔(بخاری۱۸۸۱،مسلم۲۹۴۳)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**"على أنقاب المدينة ملائكة لايدخلها الطاعون و لا الدجال"** ''مدینہ کے راستوں پر فرشتے مامور ہیں وہاں نہ طاعون پھیل سکتا ہے اور نہ ہی دجال داخل ہوسکتا ہے۔ (بخاری ۱۸۸۰، مسلم ۱۳۷۹)انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**"المدينة ياتيها الدجال فيجد الملائكة يحرسونها فلا يقربها الدجال و لا الطاعون ان شاء الله"** دجال مدینہ تک آئے گا تو یہاں فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا، چنانچہ نہ تو دجال اس کے قریب آسکتا ہے اور نہ طاعون (ان شاء اللہ) (بخاری۱۳۴۷)

(۵) اللہ ﷻ نے ہر اہل شر سے مدینہ منورہ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے:

ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من أراد أهل هذه البلدة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء** ''جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کرے گا، اللہ تعالی اسے یوں پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے''۔ (مسلم ۱۳۸۶)

(۶) اللہ ﷻ نے مکہ سے دوگنی برکت مدینہ منورہ میں رکھی ہے: انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**اللهم اجعل بالمدينة ضعفي ما بمكة من البركة**'' ''اے اللہ! مدینہ میں مکہ سے دوگنی برکت رکھ دے''۔ (بخاری ۱۸۸۵، مسلم ۱۳۶۹)

(۲) **زیارت مسجد نبوی**: مسجد نبوی کی زیارت بلا تحدید وقت و زمانہ ہمہ وقت مسنون ہے اور اس کی زیارت کا حج یا عمرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر کوئی شخص مسجد نبوی کی زیارت کے بغیر اپنے شہر یا ملک واپس چلا جائے تو اس کی وجہ سے اس کے حج یا عمرہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مدینہ منورہ کی زیارت کو آنے والا مسجد نبوی میں نماز و دعا کی نیت لے کر آئے، محض قبر نبوی اور دیگر قبروں کی زیات کی نیت لے کر نہ آئے، کیوں کہ روئے زمین پر مسجد حرام، بیت المقدس اور مسجد نبوی کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کے لئے اجر و ثواب کی نیت سے عبادت سمجھ کر سفر کرنا جائز ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لا تشد الرحال إلا الى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام و مسجدى هذا و المسجد الأقصى**'' تین مساجد کے سوا کسی اور جگہ کے لئے (اجر و ثواب کی نیت سے) رخت سفر باندھنا جائز نہیں ہے (۱) مسجد حرام (۲) میری یہ مسجد (۳) اور مسجد اقصی (بخاری ۱۱۸۹، مسلم ۱۳۹۷)

جب مذکورہ تین مساجد کے سوا کسی اور جگہ کا سفر بغرض اجر و ثواب جائز نہیں ہے تو زیارت قبر رسول کی نیت سے مدینہ کا سفر ہرگز جائز نہ ہوگا اور جب آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر جائز نہیں تو آستانوں، مزاروں اور درگاہوں کا سفر کیسے جائز ہو سکتا ہے، لہذا آپ مسجد نبوی میں نماز و دعا کی نیت سے سفر کریں اور وہاں پہنچ کر آپ ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء کی قبروں نیز جنت البقیع اور شہدائے احد کی زیارت کریں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح یہ زیارت مسجد نبوی کی زیات کے تابع ہو جائے گی۔

کیوں کہ مسجد نبوی میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**صلاة في مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام**'' میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ (بخاری ۱۱۹۰، مسلم ۱۳۹۴)

مسجد نبوی پہنچ کر دیگر مساجد کی طرح پہلے اپنا دایاں پاؤں مسجد میں داخل کریں اور یہ دعا پڑھیں: ''**بِسْمِ اللّٰهِ وَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ و بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَ سُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ**'' (ترجمہ) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود و سلام ہو، میں مردود شیطان سے اللہ عظیم، اس کے کریم چہرے اور قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ تو میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں، ابو قتادہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا، اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے، میں بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے کس چیز نے تمہیں روکا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ کو اور لوگوں کو بیٹھے دیکھا (اس لئے میں بھی بیٹھ گیا) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے بغیر نہ بیٹھے''۔ (بخاری ۴۴۴، مسلم ۱۷۱۴)

مستحب یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں روضہ شریفہ میں ادا کریں، کیوں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''**ما بين بيتي و ممبري روضة من رياض الجنة**'' میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان والا حصہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ (بخاری ۱۱۹۵ مسلم ۱۳۹۰)

دو رکعت تحیۃ المسجد سے فارغ ہو کر قبر نبوی اور آپ کے دونوں ساتھی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کے لئے چلیں، قبر نبوی کے پاس پہنچ کر قبر کی جانب رخ کر کے باادب سکون و وقار اور مکمل خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور آپ ﷺ پر اس طرح سلام بھیجیں: ''**أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلىٰ اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلىٰ آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلىٰ اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلىٰ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ**'' اور اگر یہ الفاظ کہیں تو بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ سب آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ ہی ہیں: [**أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا وَ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ أَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ وَ نَصَحْتَ الْأُمَّةَ فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّتِكَ أَفْضَلَ مَا جَزَىٰ نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهِ**]

آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد تھوڑا سا دائیں بڑھیں اور ابو بکر ؓ پر سلام بھیجیں، ان کے لئے اللہ کی رضا و خوشنودی کی اور دیگر دعائیں کریں، پھر تھوڑا سا دائیں بڑھیں اور امیر المؤمنین عمر بن خطاب ؓ پر سلام بھیجیں، ان کے لئے اللہ کی رضا و خوشنودی کی اور دیگر دعائیں کریں، نافع بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر ؓ جب سفر سے واپس آتے (تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد) قبر پر حاضر ہوتے اور یہ کہتے: ''**أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ، أَلسَّلَامُ**

عَلَیْکَ یَا أَبَتَاہُ'' اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر آپ پر سلامتی ہو، اے ابا جان آپ پر سلامتی ہو، تینوں کو سلام کہتے اور چل دیتے۔ (تحقیق فضل الصلاۃ علی النبی للالبانی ۸۱)

زیارت کے وقت قبر نبوی کے پاس دیر تک نہ ٹھہرے رہیں اور خود کو بار بار زیارت میں مشغول نہ کریں، کیوں کہ یہ عمل کثرت اژدحام دیگر زائرین کو ایذا رسانی اور شور وہنگامہ کا سبب ہے جبکہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ ہمارے لئے زندگی میں اور موت کے بعد بھی قابل صد احترام ہے، لہذا آپ ﷺ کی قبر کے پاس نہ تو شور وہنگامہ کیا جائے اور نہ ہی آوازیں بلند کی جائیں کیوں کہ یہ آپ کے ادب واحترام کے منافی ہے۔

❁ عورتوں کے لئے قبر رسول ﷺ اور دیگر مقابر کی زیارت جائز نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنیوالی عورتوں کو لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح الترمذی ۱/۵۳۷) بلکہ عورت مسجد نبوی کی زیارت کرے، وہاں نماز اور ذکر ودعا میں مشغول رہے اور جہاں ہو وہیں سے نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (یعنی گھروں میں سنن ونوافل ادا کیا کرو) اور میری قبر کو میلہ نہ بناؤ، مجھ پر تم جہاں سے بھی درود بھیجو گے پہنچ جائے گا۔'' (صحیح ابوداؤد ۱/۳۸۳) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی زمین میں گشت کرنے والے کچھ فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔'' (صحیح نسائی للالبانی ۱/۲۷۴)

(۳) **مسجد قبا کی زیارت:** زائر مدینہ منورہ کے لئے مسجد قبا کی زیارت مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ کبھی سوار کبھی پیدل مسجد قبا آتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے (بخاری ۱۱۹۴، مسلم ۱۳۹۹) سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من تطهر في بيته ثم أتى مسجد قباء فصلى فيه صلاة كان له كأجر عمرة'' جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے اور مسجد قبا آکر نماز ادا کرے تو اسے عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (صحیح ابن ماجہ ۱/۲۳۷، صحیح النسائی ۱/۱۵۰)

(۴) **قبور بقیع اور قبور شہدائے احد کی زیارت:** مردوں کے لئے قبور بقیع اور قبور شہدائے احد کی زیارت مسنون ہے، کیونکہ نبی ﷺ ان کی قبروں کی زیارت کیا کرتے تھے اور ان کے لئے دعائیں فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قبروں کی زیارت کیا کرو وہ تمھیں موت یاد دلاتی ہے۔'' (مسلم ۹۷۶) اور زیارت کے وقت یہ الفاظ کہیں: ''أَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَ لَكُمُ الْعَافِيَةَ'' اے شہر خموشاں کے مکیں مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو، اللہ پہلے جانے والوں اور پیچھے جانے والوں پر رحم فرمائے، ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں۔ (مسلم ۹۷۴، ابن ماجہ ۱۵۴۷)

❁ واضح رہے کہ زیارت قبور کا مقصد یہ ہے کہ انھیں دیکھ کر ذکر موت اور فکر آخرت حاصل ہو اور ان مقابر میں مدفون مردوں کے لئے مغفرت وعافیت اور رحمت وجنت کی دعائیں کی جائیں، لیکن اگر اس مقصد سے ہٹ کر قبر والوں کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارا جائے، بیماروں کے لئے اہل قبور سے شفا طلب کی جائی یا ان کے وسیلہ سے اللہ سے سوال کیا جائے تو یہ ناجائز اور خلاف شرع زیارت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ونهيتكم عن زيارة القبور فمن أراد أن يزور فليزر ولا تقولوا هجرا'' میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب جو زیارت کرنا چاہے کرے مگر وہاں حرام وناجائز باتیں نہ بولے۔ (صحیح النسائی للالبانی ۳۰۳۳)

❁ مدینہ منورہ میں جن مقامات کی زیارت جائز ہے وہ صرف پانچ مقامات ہیں: (۱) مسجد نبوی (۲) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبریں (۳) قبور بقیع (۴) قبور شہدائے احد (۵) مسجد قباء، رہا مسئلہ مساجد سبعہ، مسجد قبلتین، مسجد الاجابہ، مسجد الغمامہ اور ان کے علاوہ دیگر مقامات کی زیارت کا، تو ان کی زیارت بے بنیاد ہے، سنت رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (فتاوی ابن باز ۱۷/۴۱۵، فتاوی ابن عثیمین ۲۳/۴۱۱)

بعض زائرین بجائے اس کے کہ مسجد نبوی میں ہزار نماز کے ثواب کو غنیمت سمجھیں اور اپنے بیش قیمت اوقات کو مسجد نبوی میں نمازوں میں لگائیں، مدینہ میں صرف رسول اللہ ﷺ کے آثار ونشانات کی تلاش وجستجو میں چکر کاٹتے اور اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں، واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور مسجد قبا کے علاوہ کوئی ایسی مسجد نہیں کہ بالقصد اس کی زیارت کے لئے جانا مشروع ہو، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ بالقصد صرف مسجد نبوی اور مسجد قبا جاتے تھے، اسی لئے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شرک کے سد باب کے لئے اس درخت کو کٹوا دیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی گئی تھی (کہ کہیں لوگ اسے عبادت گاہ نہ بنالیں)۔ (البدع والنہی عنہا لابن وضاح ص ۸۸)

(۵) زائرین مدینہ منورہ سے واقع ہونے والی بعض غلطیوں کی نشاندہی: ❁ بعض زائرین رسول اللہ ﷺ کی قبر پر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے، سر جھکاتے، قبر کی طرف رخ کر کے دعائیں کرتے ہیں، حجرہ مبارکہ کی در ودیوار یا جالیوں کو از راہ تبرک چھوتے یا چومتے بھر اپنے ہاتھ جسم پر مل لیتے یا حجرہ شریفہ کا طواف کرتے یا ان میں درخواستیں پھینکتے ہیں، یہ سب اعمال خلاف شرع، بدعت ہیں، کیوں کہ سلف صالحین سے یہ اعمال ثابت نہیں ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جنھوں اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

(مسند احمد ۱۷۳/۷) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''علماء کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حجرے کو چھونا یا اسے بوسہ دینا، اس کا طواف کرنا یا اس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا یا دعا کرنا جائز نہیں ہے، ائمہ کے نزدیک یہ امور متفقہ طور پر ممنوع ہیں''۔ (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۱۴۶/۲۶)

❁ بعض جاہل عوام قبر نبوی کی زیات کے وقت آپ ﷺ کے وسیلہ سے اولاد مانگتے، بیمار کی شفایابی کا سوال کرتے ہیں وغیرہ مثلا کہتے ہیں: اے اللہ! اپنے نبی کے صدقہ میں مجھے اولاد عطا کردے، اپنے نبی کے طفیل میں میرے بیمار کو شفا دے دے وغیرہ، واضح رہے کہ وسیلہ کی یہ شکل ناجائز، بدعت ہے، کیوں کہ فوت شدگان کا وسیلہ خواہ وہ نبی ہوں یا ولی شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں ہے۔

قارئین کرام! اس واقعہ سے صحابہ کرام ﷺ کا طرز عمل واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا وسیلہ نہیں لیا نہ آپ سے استغاثہ کیا نہ آپ کو مدد کے لئے پکارا نہ آپ کے طفیل یا صدقہ میں اللہ سے بارش کی دعا مانگی، بلکہ عباس کی دعا کا وسیلہ لیا جو زندہ موجود تھے، اگر مردوں کا وسیلہ جائز ہوتا تو عمر ﷺ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر کہتے، یارسول اللہ! ہم آپ کا وسیلہ لیتے ہیں اللہ سے دعا کردیں کہ اللہ بارش نازل فرمادے، مگر عمر نے ایسا نہ کیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ عباس ﷺ سے بارش کے لئے دعا کرانے کی مذکورہ حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ فوت شدگان اور غائب لوگوں کو کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے، ورنہ عباس ﷺ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہ تھے (اگر مردہ ہستیوں سے دعا کرانا جائز ہوتا) تو انھوں نے کیوں نہ کہا کہ اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کا وسیلہ لیتے تھے اب ہم تیرے نبی کی روح کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔'' (ابلاغ المبین ۱۶ طبع لاہور)

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس سے دعا کا طالب ہونا اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بشرطیکہ جس سے دعا کی درخواست کی جارہی ہے وہ زندہ ہو، لیکن اگر وہ مردہ یا غائب ہو تو ایسی فریاد کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کیا۔'' (روح المعانی للآلوسی ۱۲۵/۶)

❁ بعض زائرین اس سے بھی سنگین امر کا ارتکاب کرتے ہیں وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی حاجت روائی، مشکل کشائی، قرضوں کی ادائیگی، بیماروں کی شفایابی وغیرہ کا سوال کرتے ہیں، حالانکہ ان امور کا سوال صرف اور صرف اللہ تعالی ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

فوت شدگان خواہ نبی ہوں یا ولی ان سے ان باتوں کا سوال کرنا کھلم کھلا شرک، دین اسلام سے خارج کردینے والی چیز ہے، اگر اس کا مرتکب بغیر توبہ کے مرگیا تو اس پر جنت حرام ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ...﴾ (المائدۃ:۷۲) یقین مانو کہ جو اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اللہ تعالی نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے....

❁ بعض زائرین ہر نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھنے کے لئے قبر نبوی پر پہنچ جاتے ہیں، ایسا کرنا بدعت ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے، اسی طرح عبداللہ بن عمر ﷺ جب سفر سے لوٹتے تو قبر نبوی پر سلام پڑھنے کے لئے جاتے، لہذا زائر مدینہ کو چاہیے کہ جب مدینہ پہنچے تو ایک بار قبر نبوی پر حاضر ہو کر سلام پڑھ لے اور پھر لوٹتے وقت ایک بار ایسا کرلے، یہی اس کے لئے کافی ہے۔ (فتاوی ابن عثیمین ۴۱۹/۲۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قطراز ہیں: ''امام مالک رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کے لئے ناپسند فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی مسجد نبوی میں آئے تو قبر رسول پر بھی آئے، اس لئے کہ سلف صالحین ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مسجد نبوی میں نمازوں کے لئے آتے اور ابوبکر، عمر، عثمان اور علی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے پھر یا تو مسجد میں بیٹھے رہتے یا چلے جاتے لیکن قبر نبوی پر سلام پڑھنے کے لئے نہ آتے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ نماز میں پڑھا گیا درود یہ کامل وافضل ہے، جب کہ آپ ﷺ کے صحابہ بہترین صدی کے لوگ تھے، امت میں آپ ﷺ کی سنت کے سب سے زیادہ جانکار اور سب سے زیادہ اس کی پیروی کرنے والے تھے اور آپ کی محبت وتعظیم میں انتہائی سخت تھے، لیکن اس کے باوجود جب کوئی مسجد نبوی میں جاتا تو قبر نبوی پر نہیں جاتا تھا''۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹۷/۱۷)

چنانچہ قبر نبوی پر بار بار حاضری دینا یا ہر نماز کے بعد زیارت کے لئے پہنچ جانا صحابہ کرام ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے، صحابہ کرام ﷺ مسجد نبوی میں پانچ وقت کی نمازیں ادا فرماتے تھے لیکن قبر نبوی پر سلام پڑھنے کے لئے نہیں جاتے تھے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قبر پر بھیڑ اکٹھا ہونے اور اسے عرس ومیلہ کی جگہ بنانے کو ناپسند فرمایا ہے۔

امام محمد مناوی رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ''**ولا تجعلوا قبری عیدا**'' اور میری قبر کو عید نہ بناؤ'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس جملہ میں لوگوں کی مشقت یا تعظیم میں حد سے گذر جانے کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر پر اس طرح اکٹھا ہو یا جائے جس طرح لوگ عید کے لئے اکٹھا ہوتے ہیں، اور اسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عوام الناس کا سال کے مخصوص ایام میں اولیاء کے آستانوں پر اکٹھا ہونا شرعا ممنوع ہے جس سے علماء کو روکنا اور منع کرنا چاہئے''۔ (فیض القدیر ۱۹۹/۴)

❁ رسول اللہ ﷺ کو زائرین مدینہ منورہ سے سلام بھیجنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ آپ دنیا کے جس خطہ سے بھی رسول اللہ ﷺ کو سلام بھیجیں گے وہ آپ ﷺ پہنچا دیا جائے گا، لہذا زائرین کے ذریعہ سلام بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ (فتاوی ابن عثمین ۴۱۶/۲۳) **وصل اللھم علی نبینا محمد و بارک و سلم**

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

شرعی احکام پر عمل کریں

مولانا ابومعاویہ شارب بن شاکر السلفی

سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ کیا ماہ ربیع الاول کی کچھ فضیلت ثابت ہے؟ ماہ ربیع الاول کے بارے میں کچھ باتیں جاننی بہت ضروری ہے کیونکہ ماہ ربیع الاول کے شروع ہوتے ہی محبت رسول کے نام پر سڑکوں اور گلیوں کو سجایا جاتا ہے، مسجدوں اور گھروں پر قمقمے اور جھنڈے نصب کئے جاتے ہیں اور بازاروں میں یہ گہما گہمی ہونے لگتی ہے کہ سب سے بڑی عید آنے والی ہے، جب کہ یہ نہ تو عید ہے اور نہ ہی یہ اسلام کا حصہ ہے بلکہ آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ دین اسلام کا کوئی ایک نیک عمل بھی نہ تو ربیع الاول کے مہینے میں ثابت ہے اور نہ ہی 9/12 ربیع الاول کی تاریخ کے بارے میں کچھ ثابت ہے اب ذرا غور کیجئے کہ:

1۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر آپ ﷺ رمضان کے مہینے میں رسول بنائے گئے!

2۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر قرآن کریم کے نزول کا آغاز رمضان کے مہینے میں ہوا! (البقرۃ:185)

3۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر قرآن مجید میں صرف رمضان مہینے کا نام مذکور رہا! (البقرۃ:185)

4۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر روزے رمضان کے مہینے میں رکھنے کا حکم ہوا! (البقرۃ:185)

5۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر آپ ﷺ نے رمضان کے مہینے میں عمرہ کرنے والوں کو حج کے برابر ثواب ملنے کی بشارت دی یا پھر اپنے ساتھ حج کرنے کے جیسا قرار دیا! (مسلم:1256)

6۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر ساری فضیلتیں رمضان کے مہینے کو ملی۔

7۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر یہ حرمت والے مہینوں میں سے بھی نہیں ہے! (بخاری:2958)

8۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر حج و قربانی جیسی عظیم عبادت کے لئے ذی الحجہ کا مہینہ مقرر رہا!

9۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر آپ نے اپنی زندگی میں ایک بھی عمرہ اس مہینے میں ادا نہ کیا! (بخاری:1654، مسلم:1253)

10۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر آپ نے محرم کے مہینے کو اللہ کا مہینہ قرار دیا! (مسلم:1163)

11۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر آپ نے خود نفلی روزہ رکھنے کے لئے محرم کے مہینے کو افضل مہینہ قرار دیا! (مسلم:1163)

12۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر ہجری سال کا آغاز مقدس ہستیوں نے محرم کے مہینے سے کیا۔

13۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر خود آپ ﷺ اس مہینے کو چھوڑ کر شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ (بخاری:1969، مسلم:1156)

14۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر نامۂ اعمال شعبان کے مہینے میں اٹھائے جاتے ہیں۔ (صحیح النسائی للألبانیؒ:2221)

15۔ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی مگر رب ذوالجلال والاکرام نے مسلمانوں کے عیدین کے لئے شوال اور ذی الحجہ کے مہینے کو منتخب کیا۔

16۔ آپ ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی مگر اللہ نے فضیلت جمعہ کے دن کو عطا کیا۔

17۔ آپ ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی مگر فضیلت عرفہ کے دن کو ملی۔

18۔ آپ ﷺ کی ولادت 9/12 ربیع الاول کی تاریخ کو ہوئی مگر قربانی 10 ذی الحجہ کو مشروع کی گئی۔

19۔ آپ ﷺ کی ولادت 9/12 ربیع الاول کی تاریخ کو ہوئی مگر نفلی روزے رکھنے کا جو اجر و ثواب بیان ہوا وہ 9 ذی الحجہ ہے یا پھر 9 اور 10 محرم ہے۔ (مسلم:1162)

20۔ آپ ﷺ کی ولادت 9/12 ربیع الاول کی تاریخ کو ہوئی مگر آپ ﷺ خود ہر مہینے کم سے کم قمری تاریخ کے حساب سے 13/14/15 یعنی ایام بیض کے روزے رکھتے تھے۔ (نسائی:2347، الصحیحۃ للألبانیؒ:580)

21۔ آپ ﷺ کی ولادت 9/12 ربیع الاول کی تاریخ کو ہوئی مگر تمام فضیلتیں رمضان کے آخری عشرے اور عشرۂ ذی الحجہ کو ملی۔ (القدر:3، ترمذی:757)

22۔ آپ ﷺ کی ولادت 9/12 ربیع الاول کی تاریخ کو ہوئی مگر رب

العالمین نے مسلمانوں کو جو وعیدیں عطا کی وہ بھی ان تاریخ میں سے نہیں ہے!

الغرض دین اسلام کی کسی بھی قسم کی کوئی بھی عبادت اس مہینے میں مقرر نہیں ہے کیا عقل وخرد رکھنے والوں کے لئے بس اتنی سی بات کافی نہیں ہے کہ میلاد منانا اسلام میں ناجائز ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے، "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی" یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(طہٰ:54) ساری تفصیلات کو سننے اور پڑھنے کے بعد یہ میلاد منانے والے لوگ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں اور کدھر جارہے ہیں؟ سنت کی راہ پر یا پھر بدعت کی راہ پر!

اگر میلاد منانا محبت رسول ﷺ ہوتا تو اس نشانی اور علامت کو سب سے پہلے وہ لوگ انجام دیتے جن سے زیادہ اس کائنات میں کوئی بھی انسان آپ ﷺ سے محبت نہیں کرسکتا ہے! اگر میلاد نہیں منانا گستاخ رسول ہیں تو پھر آپ اس تاریخی حقیقت کو کیا نام دیں گے کہ:

خلیفۂ اول سیدنا ابوبکرؓ نے دوسال دو مہینے حکومت کی مگر کبھی بھی انہوں نے میلاد نہیں منائی اور نہ ہی جلوس نکالا۔

خلیفۂ ثانی سیدنا عمر بن خطابؓ نے دس سال چھ مہینے حکومت کی مگر انہوں نے کبھی میلاد نہیں منائی اور نہ ہی جلوس نکالا۔

خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنیؓ نے گیارہ سال گیارہ مہینے حکومت کی مگر انہوں نے کبھی بھی میلاد نہیں منایا اور نہ ہی جلوس نکالا۔

خلیفۂ رابع سیدنا علی المرتضیٰؓ نے تقریبا چار سال آٹھ مہینے حکومت کی مگر انہوں نے بھی کبھی بھی میلاد نہیں منائی اور نہ ہی جلوس نکالا۔

کاتب وحی سیدنا امیر معاویہؓ نے کم وبیش بیس سال حکومت کی مگر انہوں نے بھی کبھی بھی نہ تو میلاد منایا اور نہ ہی جلوس نکالا۔

یہ تو چند نام ہیں ورنہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہم اور تابعی یا پھر تبع تابعی رحمہم اللہ سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے زندگی میں کبھی بھی اس طرح کا کوئی جلسہ جلوس کیا ہو بلکہ خیر القرون کے ادوار میں بھی اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا ہے کہ کسی نے بھی میلاد منائی ہو، درحقیقت اس کی ایجاد تو چھٹی صدی ہجری میں کی گئی ہے اور اس کا موجد اول ابوسعید مظفر الدین اربل کا بادشاہ تھا جس کی وفات: 630ھ میں ہوئی اور اس کے جائز ہونے کا فتوی سب سے پہلے ابن دحیہ کلبی نے دیا تھا جس کی وفات سن 633ھ میں ہوئی تھی جس سے خوش ہوکر کے بادشاہ نے اس کو ایک ہزار اشرفیاں دی تھی۔

برادران اسلام! ذرا سوچئے کہ یہ جملہ "میلاد نہ منانے والے گستاخ رسول ہیں" کتنا خطرناک ہے کہ اس جملے کی زد میں تمام کے تمام صحابۂ کرام آجاتے ہیں کیونکہ یہ کام کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے! جب یہ کام کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں تو پھر یہ چیز نہ تو محبت رسول کی علامت ہے اور نہ ہی یہ چیز دین کا حصہ ہے کیونکہ جو کام صحابہ نے نہ کیا وہ دین کا حصہ کبھی نہیں ہوسکتا ہے گرچہ لوگ اسے دین سمجھیں یا پھر بہت بڑی نیکی سمجھیں کیونکہ اس دین کو بلا فاصلہ (ڈائریکٹ) لینے اور امت کو دینے والے وہی تو ہیں، صحابہ ہی دین حق کے خشتِ اول ہیں کیونکہ قرآن ان کے سامنے میں نازل ہوا، اور قرآن کی تفسیر نبی کریم ﷺ ہی نے انہیں سکھائی، دین کی کوئی ایسی بات نہ تھی جو انہیں نبی کریم ﷺ نے نہ بتلائی ہوا اور وہ سب تادم حیات اسی دین پر استقامت کے ساتھ خود بھی گامزن رہے اور امت کو بھی اسی کی تلقین کی کہ دین وہی ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہو دین اسلام کے شجر کو انہوں نے اپنے خون سے آبیاری کی، دین اسلام کے سربلندی کے لئے وہ ہمیشہ اپنے تن من دھن سے لگے رہے، حالؔی نے ان کی اس صفت کی کیا ہی خوب ترجمانی کی ہے:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا ان ہی کی لگائی ہوئی ہے

انہیں سب خوبیوں کی وجہ سے قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی معیار ہدایت اور معیار حق ہیں جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے "فَاِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ "اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں۔(البقرۃ:137) اسی طرح سے رب ذوالجلال والاکرام نے تاقیامت آنے والی تمام نسلوں کو اور بالخصوص مسلمانوں کو ان کے نقش قدم کی پیروی کرنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ ان کی پگڈنڈی اور ڈگر سے بھٹکنے پر بھیانک انجام سے بھی باخبر کردیا جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:"وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا" جو شخص راہ ہدایت واضح ہوجانے کے باوجود بھی رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں (صحابہ) کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کو اختیار کرے تو ہم اسے اسی طرف متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہوگا اور دوزخ میں ڈال دیں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔(النساء:115) آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کو اسی بات کی تعلیم دی کہ زمانہ جیسے جیسے گذرتا جائے گا ویسے ویسے لوگ اختلاف میں پڑکر زیغ وضلال کے راستوں پر چلنا شروع کردیں گے مگر تم کسی بھی حال میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے کو نہ چھوڑنا ورنہ ہلاک وبرباد ہوجاؤگے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:" فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" عنقریب تم میری امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھوگے ایسی صورت میں تم میری سنت اور میرے ان خلفاء

کی سنت کو لازم پکڑنا جو ہدایت یافتہ اور نیک وصالح ہوں گے، تم اسے مضبوطی سے تھام لینا اور ہاتھ سے نکلنے نہ دینا، اور دین میں ہر طرح کی بدعات کو ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے اور بالآخر گمراہی کا انجام جہنم ہی ہے۔(ابوداؤد:6407 صححہ الألبانی)

محترم قارئین! صحابہ نے بھی امت مسلمہ کو اسی بات کی تلقین کی کہ تم وہی کرنا جو صحابہ نے کیا اور جو انہوں نے نہ کیا اس کے قریب بھی نہ جانا جیسا کہ حذیفہ بن یمانؓ نے کہا کہ :"كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَا تَعْبُدُوْهَا" یعنی ہر وہ عبادت جو صحابۂ کرامؓ نے نہ کیا تم بھی اسے عبادت سمجھ کر نہ کیا کرو، اسی طرح سے ابن مسعودؓ نے کہا کہ:" اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيْتُمْ عَلَيْكُمْ بِالْأَمْرِ الْعَتِيْقِ" یعنی تم قرآن وسنت کی پیروی کیا کرو اور دین میں نئے نئے کاموں کو ایجاد نہ کیا کرو کیونکہ تمہیں اس سے بچالیا گیا ہے اور تم اسی چیز کو لازم پکڑو جو پہلے سے موجود تھا۔(حجۃ النبی ﷺ:ص100)

اب ذرا سوچئے اور فیصلہ خود کیجئے کہ جب ان چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم نے نہ کیا اور نہ ہی کسی صحابیٔ رسول نے اس کام کو انجام دیا تو پھر یہ دین کا حصہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور یہ محبت کی علامت کیسے ہوسکتی ہے! یہ میلاد منانا نہ تو اچھا کام ہے اور نہ ہی نیکی کا م ہے گرچہ ساری دنیا اسے اچھا سمجھے اور نیکی کا کام سمجھے! جیسا کہ اس بات کی وضاحت صحابیٔ رسول ابن عمرؓ نے خود بیان کردی ہے کہ "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَإِنْ رَآهَا النَّاسُ حَسَنَةً" ہر بدعت گمراہی ہے گرچہ لوگ اسے اچھا ہی سمجھیں۔(موسوعۃ الألبانی فی العقیدہ:2/99) اسی لئے اے مسلمانو! صحابہ کے نقش قدم کی پیروی کرو، انہیں کی راہ پر چلو کیونکہ انہیں کی راہ سیدھے جنت کو جاتی ہے اور جس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا۔

میلاد منانے والے حضرات اکثر وبیشتر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ میلاد منانے میں غلط کیا ہے؟ برائی کیا ہے؟ ہم تو مناقب وفضائل رسول ﷺ بیان کرتے ہیں؟ درود کی محفلیں سجاتے ہیں؟ تو کیا یہ سب کرنا غلط اور گناہ ہے؟ اچھی طرح سے یادرکھ لیجئے کہ ہر وہ کام جو نبی ﷺ کے بتائے ہوئے قول وفعل سے ثابت نہ ہو وہ مردود ہے گرچہ وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو! جو نبی اور صحابہ سے ثابت نہیں اس کا کرنا گناہ ہے گرچہ ساری دنیا اس کی تعریف کرے اور اسے اچھا کہے! جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ کیا گناہ ہے؟ ایسے لوگوں کے لئے میں سب سے پہلے ایک حدیث نقل کرنا چاہتا ہوں جس کے اندر اسی بات کا ذکر ہے کہ کچھ صحابۂ کرام نے بہت ہی زیادہ نیکی کرنے کا ارادہ کیا اور نماز وروزے کو اختیار کرنے کی بات کہی تھی مگر حبیب کائنات ﷺ نے انہیں کیا کہا تھا سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ تین صحابۂ کرامؓ (سیدنا علیؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور سیدنا عثمان بن مظعونؓ) امہات المومنین والمومنات میں سے کسی کے پاس گئے اور ان سے آپ ﷺ کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بارے میں پوچھا تو جب انہیں آپ ﷺ کی عبادتوں وریاضتوں کے بارے میں بتائی گئی تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور حیران وپریشان ہوکر کہا کہ ہم کہاں اور آپ ﷺ کہاں " وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ" ہمارا آپ ﷺ سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی وپچھلی لغزشوں کو معاف کردیا گیا ہے (جب آپ ﷺ اتنی زیادہ عبادت وبندگی کرتے ہیں تو ہمیں کتنی کرنی چاہئے) یہ کہہ کر ان میں سے ایک نے کہا کہ " أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا "اب سے میں تو، رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا اور کبھی نہیں سوؤں گا اور دوسرے نے کہا کہ " أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلاَ أُفْطِرُ "اب سے میں بھی ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے صحابی نے کہا کہ " أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ أَتَزَوَّجُ أَبَدًا "میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، اور کسی نے یہ بھی کہا تھا کہ " لَا آكُلُ اللَّحْمَ" اب سے میں گوشت وغیرہ بھی نہیں کھاؤں گا، ان صحابۂ کرام نے کتنا اچھا اور نیکی کا ارادہ کیا مگر جب آپ ﷺ کو اس بات کی جانکاری دی گئی تو آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور پوچھا کہ کیا تمہیں لوگوں نے ایسا اور ایسا کہا ہے اور پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کہتے اور سوچتے ہیں، اے لوگو سن لو " أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ " خبردار! اللہ کی قسم! میں تم سب سے کہیں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، میں تم سب سے کہیں زیادہ متقی وپرہیزگار ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور راتوں میں سوتا بھی ہوں اور میں نے نکاح بھی کر رکھے ہیں اسی لئے یہ بات یادرکھ لو! " فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي " جو میرے طریقے سے ہٹا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔(بخاری:5063، مسلم:1401)

حضرت عمرو بن سلمہ ہمدانیؒ کہتے ہیں ہم اکثر وبیشتر فجر کی نماز سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے پر بیٹھ جایا کرتے اور پھر ان کے ساتھ ہی مسجد کی طرف نکلا کرتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ سیدنا ابوموسی اشعریؓ آئے اور وہ بھی ابن مسعودؓ کے انتظار میں بیٹھ گئے جیسے ہی ابن مسعودؓ اپنے گھر سے نکلے تو ان سے ابوموسی اشعریؓ نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن " إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ آنِفًا أَمْرًا أَنْكَرْتُهُ وَلَمْ أَرَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ إِلَّا خَيْرًا " میں نے مسجد میں ابھی ابھی ایک کام دیکھا ہے جو مجھے برا معلوم ہورہا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اچھا اور بہتر ہی دیکھا ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے پوچھا کہ ایسا آپ نے کیا دیکھا ہے؟ تو ابوموسی اشعریؓ نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جو حلقوں کی شکل میں مسجد میں بیٹھے نماز کا

انتظار کرر ہے ہیں، اور ہر حلقے میں ایک آدمی ہے جس کے ہاتھ میں کنکریاں ہیں اور وہ لوگوں کو کہتا ہے کہ 100 سو بار اللہ اکبر پڑھو تو لوگ 100 سو بار اللہ اکبر پڑھتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ 100 سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ لوگ 100 سو بار لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ 100 سو بار سبحان اللہ پڑھو تو وہ لوگ 100 سو بار سبحان اللہ پڑھتے ہیں، یہ سن کر ابن مسعودؓ نے ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا کہ آپ نے انہیں کچھ کہا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کی رائے کا انتظار کرتے ہوئے انہیں کچھ نہیں کہا، تو ابن مسعودؓ نے کہا کہ آپ انہیں اس بات کا حکم دیتے کہ وہ (اس طرح سے نیکیوں کو شمار نہ کرکے) اپنے گناہوں کا شمار کریں اور آپ انہیں اس بات کی ضمانت دیتے کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی، بہر حال جب سب کے سب مسجد میں پہنچے تو انہوں نے بھی لوگوں کو ویسا ہی کرتے ہوئے پایا تو ابن مسعودؓ نے پوچھا کہ " مَا هَذَا الَّذِي أَرَاكُمْ تَصْنَعُونَ "یہ تم لوگ کیا کرر ہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! ہم ان کنکریوں کے ساتھ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کو شمار کرر ہے ہیں، یہ سن کر ابن مسعودؓ نے ان سے کہا کہ ایسا کرنے کے بجائے تم سب اپنی برائیوں کو شمار کرو اور میں تمہیں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی، پھر ان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ "وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ "افسوس ہے تم پر اے امت محمدیہ! تم کتنی جلدی ہلاکت وبربادی کی طرف چل دئے، ابھی تو تمہارے درمیان بکثرت آپ ﷺ کے اصحاب موجود ہیں اور ابھی تو آپ ﷺ کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی ابھی آپ ﷺ کا برتن ٹوٹا ہے،" وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ " قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے بدعت والے طریقے پر ہو جس میں محمد ﷺ کے طریقے سے زیادہ ہدایت ہے یا پھر تم نے گمراہی کا دروازہ کھولا ہے، ایسا سننے کے بعد ان لوگوں نے جواب دیا کہ " وَاللَّهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ " اے ابوعبدالرحمٰن ہم نے تو بس خیر و بھلائی کا ہی ارادہ کیا تھا، ایسا سننے کے بعد جو ابن مسعودؓ جواب دیا وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے انہوں نے کہا کہ " وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ " بہت سارے لوگ نیکی کا ارادہ تو کرتے اور رکھتے ہیں مگر انہیں نیکی حاصل نہیں ہوتی ہے۔۔۔(سنن دارمی: 210، الصحیحۃ: 2005) غور فرمائیں کہ ایک نیکی کا کام ہو رہا تھا مگر وہ نیکی کا کام رسول ﷺ کے طریقے وسنت کے موافق نہیں تھا جس کی وجہ سے ہی ابن مسعودؓ نے کہا کہ یہ نیکی نہیں بلکہ گمراہی ہے۔

حق وباطل کا معیار لوگوں کی اکثریت واقلیت نہیں بلکہ دلائل وبراہین ہیں، فرمان باری تعالی ہے "وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ "اور دنیا میں زیادہ تر لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں، وہ تو محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ (الانعام:116) ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کہ " وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ " اور بے شک اکثر لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ کر بغیر علم کے گمراہ ہوتے ہیں۔ (الانعام:119) یقیناً قرآن نے جیسا کہا ہے آج ہم اپنی آنکھوں سے ویسا ہی دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے پاس دلائل وبراہین تو نہیں ہوتے مگر اٹکل پچو، قیاسی باتیں اور جھوٹے قصے کہانیاں ضرور ہوتے ہیں، لوگوں کو جو اچھا لگتا ہے وہی دین سمجھ کر کرنے لگ جاتے ہیں، ہمارے رب کا فرمان کتنا سچ ہے کہ " وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا " اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ (یونس:36) میرے دوستو! قرآن مجید کے اندر جگہ جگہ پر رب العزت نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہر دور میں اکثر لوگ کفر وشرک اور گمراہیت کے راستے پر ہوتے ہیں، کہیں پر اللہ نے کہا کہ " وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ " اور ان میں اکثر لوگ مسلمان نہ تھے۔ (الشعراء:190) کہیں پر اللہ نے کہا کہ اکثر لوگ بے عقل ہوتے ہیں " بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ " بلکہ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ (العنکبوت:63) کہیں پر اللہ نے کہا کہ "وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (الروم:30) کہیں پر اللہ نے کہا کہ" أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ " اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سنتے نہیں ہے۔ (حم السجدۃ:4) کہیں پر اللہ نے کہا کہ "وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ "اور لیکن کثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ (النمل:73) کہیں پر اللہ نے کہا کہ " وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ " اور اکثر لوگ ایمان رکھنے کے باوجود بھی مشرک ہوتے ہیں۔ (یوسف:106) کہیں پر اللہ نے کہا کہ " وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ" اور لیکن زیادہ تر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ (الانعام:111) اکثریت ہمیشہ اور ہر دور میں گمراہ لوگوں کی ہوتی ہے اور حق کو اپنانے والے اور نیک لوگ ہر زمانے میں اقلیت ہی میں رہتے ہیں جیسا کہ رب العالمین نے فرمایا "وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ" کہ میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔ (سبا:13) پتہ یہ چلا کہ بدعات وخرافات اکثر لوگ اپناتے ہیں اور اس کے مقابل سنت وتوحید کو ہمیشہ بہت ہی کم لوگ اپناتے ہیں، لہٰذا میلاد منانے کے لئے یہ دلیل دینا کہ یہ ساری دنیا میں منائی جاتی ہے محض عبث وبیکار اور کم فہمی کی علامت ونشانی ہے۔ جو عمل نبیؐ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے وہ دین کا حصہ نہیں ہوسکتا اور نہ اس پر عمل سے ثواب ملتا ہے۔ اس لئے شرعی احکام ومسائل پر عمل کریں۔

تحریر: ڈاکٹر حسین بن محمد بن عبداللہ آل الشیخ
ترجمہ: مولانا عبدالمنان شکراوی

عطیات میں اولاد کے درمیان انصاف

اولاد میں سے کسی ایک کو اس سے محبت، لگاؤ، اس کی سوجھ بوجھ یا اس کی کوئی ادا بھا جانے کی وجہ سے کچھ دے دینا اور دوسروں کو نہ دینا، ایک ایسا مسئلہ ہے کہ لوگ اس کا شرعی حکم معلوم نہ ہونے یا اس کے انجام سے بے خبر ہونے کے باعث غیر شرعی عمل کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ شرعی حکم یہ ہے کہ بندہ اولاد کے درمیان کسی بھی قسم کی رعایت یا عطیہ وغیرہ تمام امور میں بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی وصیت: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (النساء:۱۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔'' کے مطابق برابری کا معاملہ رکھے۔

امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف کا معمول تھا کہ وہ اولاد کے درمیان بوسہ دینے تک میں برابری کا معاملہ رکھتے تھے۔ لہٰذا باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عطیہ وہدیہ دینے میں کسی کو کسی پر فوقیت دے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اولاد کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کرے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے اپنا کچھ مال ہبہ کیا تو میری ماں نے کہا، جب تک آپ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہ ہوں گی۔ چنانچہ میرے والد گواہ بنانے کی غرض سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اسی طرح دیا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔ اس کے بعد میرے والد لوٹ آئے اور یہ عطیہ واپس لے لیا۔ (مسلم)

مختلف روایات میں لوٹانے کے مفہوم کے مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ کہیں لوٹانے کا حکم دیا ہے کہیں فرمایا: ''مجھے ظلم کا گواہ نہ بناؤ'' ایک روایت میں ہے'' تب مجھے گواہ نہ بناؤ'' ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ'' یہ سب بخاری ومسلم کی روایتوں کے الفاظ ہیں۔ مسند احمد اور نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں: ''ان کے درمیان انصاف کرو۔'' فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اولاد کے درمیان عدم مساوات پر حرمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسے لوٹانے کا بھی حکم دیا نیز اس پر گواہ بننے سے انکار کر دیا۔ اس سلسلے میں باپ اور ماں کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ حکم نبوی عام ہے: اتقوا الله واعدلوا بين اولادكم. یعنی اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔

اولاد کو عطیات کی تقسیم کے معیار کے سلسلے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں جن میں راجح قول یہ ہے کہ تقسیم میں میراث کے اصول ''لڑکے کو لڑکی کا دوگنا'' کا خیال رکھا جائے۔ حضرت شریح رحمہ اللہ نے ایک شخص جس نے اپنا مال اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کیا تھا، اس سے کہا: اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق دو۔'' حضرت عطاء نے فرمایا: لوگ اللہ کی کتاب کے مقرر کردہ حصوں کے اعتبار ہی سے مال تقسیم کرتے تھے۔'' البتہ اولاد میں سے کسی کی خاص ضرورت مثلاً بچوں کی کثرت، علاج ومعالجہ یا علمی مصروفیات کے پیش نظر اگر کچھ زیادہ دیدیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن بلاوجہ ترجیح نہ دی جائے۔ اگر کوئی اولاد کے درمیان عطیات کی تقسیم میں کمی بیشی کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ یا تو کم والے کو مزید دے کر برابر کیا جائے یا زیادہ والے سے واپس لیکر ''لڑکے کو لڑکی کا دوگنا'' کے دستور کے مطابق برابری کی جائے۔

وارث کے لیے چاہے وہ اولاد میں سے ہو یا اس کے علاوہ، وصیت نہیں کی جاسکتی۔ جس کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے لہٰذا اب کسی بھی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے کہ وصیت میں کسی کو بھی نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ ہاں اگر باقی ورثاء اجازت دیدیں تو جمہور اہل علم کے نزدیک جائز ہوگا۔ جیسا کہ زیادات بیہقی ودار قطنی میں مذکور ہے کہ ورثاء کی اجازت سے دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی وارث سے قرض کو معاف کرنا چاہے یا اپنے کسی وارث کا قرض ادا کرنا چاہے تو یہ مانند وصیت ہوگا جبکہ اس کی سچائی پر کوئی ٹھوس قرینہ پایا جائے۔ اور اگر کسی نے اپنے مرض الموت میں اپنی کسی اولاد کو عطیہ دیا یا کوئی مال ہبہ کیا تو اس کا حکم وصیت کا ہوگا چنانچہ ثلث (تہائی) سے زیادہ کی تنفیذ نہیں ہوسکتی۔ اور اگر وہ اسی مرض میں وفات پا جائے تو کسی وارث کے لیے عطیہ لینا درست نہیں ہے جب تک کہ تمام ورثاء اجازت نہ دیدیں۔

فقہ اسلامی کا قاعدہ کلیہ ہے: ''معاملات کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے۔'' اور اسلام کا ایک اہم اصول ہے: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' تو جس نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مشروع عمل کے خلاف قصد کیا تو اس کا عمل اللہ کے یہاں ناجائز ہے۔ کوئی بھی حیلہ بہانہ کر کے ایسا کام کرنا جس کی بنا پر وارث وراثت سے محروم ہو جائے، اس سے بچنا بے حد ضروری ہے کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ امام حجاوی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام سفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ جس کسی نے بھی ورثاء کو میراث سے محروم کرنے کا قصد کیا اس نے بڑے گناہ اور بھاری جرم کا ارتکاب کیا۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے اور گناہگار بھی تائب ہو جاتا ہے ایسے میں اس کا یہ غلط اقدام اس کی قساوت قلبی اور دماغ کی خرابی کی دلیل ہے۔'' بعض لوگ اپنی اولاد کو اپنے مال میں تصرف سے روکتے ہیں۔ جبکہ موت کے بعد وہ ان ہی کا تو ہے۔ وہ وقف کا بہانہ کر کے ورثاء کو وراثت کے مال میں تصرف سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ شرعاً معیوب ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ ایسے لوگوں کے سلسلے میں فرماتے ہیں: درحقیقت اس سے ان کے دو مقصد ہوتے ہیں: اول ورثاء کے لیے جس کا بیع، ہدیہ اور تصرف اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا تھا اس کو حرام کر دینا، دوم لڑکوں کی

بیویوں اورلڑکیوں کے شوہروں کومحروم کرنا۔اور یہ تو پوری طرح اسی کے مشابہ ہوگیا جس کا اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سلسلے میں سورہ انعام کے اندر ذکر فرمایا ہے۔''

ایک مسلمان کو عطیات کے سلسلے میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی فرمان :''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔'' کی روشنی میں بعض کو بعض پر فوقیت وفضیلت حرام تحمل ہے۔البتہ اولاد میں سے کسی ضرورت مند کو کچھ دے دیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں سے جو حصہ ملا تھا اسے آل عبداللہ میں ضرورتمندوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا:اورمستحب یہ ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان وقف کو اس حساب سے تقسیم کرے جو اللہ تعالیٰ نے لڑکے اورلڑکیوں کے درمیان میراث کی تقسیم کا طریقہ بتایا ہے۔اگر تقسیم میں اس کی خلاف ورزی ہوگئی ہے اورلڑکے اورلڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا ہے یا بیٹی کو بیٹے پر فوقیت دیدی یا اس کے برعکس بیٹے کو بیٹی پر فضیلت دیدی یا کسی کو وقف کے لیے خاص کر دیا اور کسی کو چھوڑ دیا۔محمد بن حکم کی روایت کے مطابق امام احمد کا قول ہے کہ اگر ترجیح کی بنیاد پر ہے تو مجھے یہ ناپسند ہے اور اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کے اہل وعیال بہت ہیں اور وہ ضرورتمند ہے تو کوئی حرج نہیں۔کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پریشان حال بیٹی کو خوش حال بیٹی پر صدقہ کرنے میں ترجیح دی تھی۔امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول پر قیاس کرتے ہوئے اولاد میں سے جو علم میں مشغول ہیں انہیں وقف میں ترجیح دی جائے گی۔تاکہ ان کی تشجیع ہوسکے۔اسی طرح دینداروں کو بے دینوں پر ترجیح دی جائے گی۔اسی طرح مریضوں کو یا صاحب فضل لوگوں کو ان کی فضیلت کی بنیاد پر فوقیت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس کی دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ عمل ہے جس میں انہوں نے دیگر اولاد کو نہ دے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیڑ پر لگی ہوئی بیس وسق کھجوریں عطیہ کیں۔(مالک)

بعض لوگ پیٹھ کی اولاد کی بجائے پیٹ کی اولاد کے لیے وقف کرتے ہیں،دوسرے لفظوں میں یہ اس بات کی صراحت ہے کہ وہ بیٹیوں کی اولاد کو محروم کررہے ہیں جسے گرچہ بعض فقہاء نے جائز قرار دیا ہے لیکن گہرائی سے اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقف سے انجام کار بیٹیوں کی اولاد کی محرومی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ماؤں کے لیے جائز قرار دیا ہے۔چنانچہ محققین نے وحی الٰہی اور شریعت کے مقاصد سے استدلال کرتے ہوئے اس سے احتراز کرنے کو کہا ہے۔شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:''بعض لوگ اپنی زمین اور درخت اپنی مذکر اولاد کے لیے نسل در نسل اور مؤنث اولاد کے لیے اس کی زندگی بھر تک کے لیے وقف کرتے ہیں جو کہ گناہ کا کام ہے۔کیونکہ اس میں مؤنث اولاد کی اولاد کو محروم کرنے کا ایک حیلہ پایا جاتا ہے۔اور اس طرح کا وقف بدعت ہے جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔نیز اس کا مقصد وقف کا بہانہ کرکے اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حصوں میں تغیر وتبدل لازم آتا ہے۔اس سلسلے میں شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تصنیف بھی ہے جس میں انہوں نے مخالفین کے شبہات کو باطل قرار دیا ہے۔'' ☆☆☆

دکھن دیناجپور میں جمعیت اہلحدیث کا دعوتی پروگرام اور بنگلہ تفسیر و ریاض الصالحین کی تقسیم:

صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی بنگال کی زیرنگرانی اور مقامی وضلعی جمعیت اہل حدیث دکھن دیناجپور کے زیر اہتمام مورخہ ۵/اکتوبر،۲۰۲۳ء کو سید پور، ہریرامپور، دکھن دیناجپور کی عالی شان جامع مسجد میں ایک روزہ ''دعوتی پروگرام'' پورے آب و تاب سے منعقد ہوا،جس میں امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی بنگال مولانا شمیم اختر ندوی صاحب نے شرکت کی ،امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث نے نہایت مفید،سود منداور پرمغز صدارتی خطاب سے سامعین کو مستفید فرمایا،انھوں نے کہا کہ آج ہمارا معاشرہ بہت سارے سماجی بگاڑ کا شکار ہوگیا ہے،جس کی اصلاح،آپسی اتحاد واتفاق، اور برادران وطن سے اپنے تعلقات استوار کرنے،ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے اورقومی یکجہتی کی بہترین مثال قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

اس کے بعد ضلعی امیر دکھن دیناجپور مولانا وحیدالزماں تیمی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہم سب ایک دوسرے سے ملکر کام کریں،اختلاف وانتشار سے بچیں،آپسی بھائی چارہ قائم کریں اور کسی کو برا بھلا نہ کہیں،زیادہ سے زیادہ دعوتی و اصلاحی پروگرام کا اہتمام کریں اوراس کے ذریعہ سماج و معاشرہ میں پھیلی برائیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں،علاوہ ازیں اس پروگرام میں مولانا افلاط الحق صاحب نے اتباع سنت، مولانا قربان علی مظاہری صاحب نے شرک و بدعت اور دیگر علمائے کرام نے بھی بڑی قیمتی اور ناصحانہ کلمات سے سامعین کو مستفید فرمایا۔اخیر میں صوبائی جمعیت کی بھیجی ہوئی بنگلہ تفسیر وریاض الصالحین تقسیم کی گئی۔اس پروگرام میں دکھن دیناجپور کے ضلعی ناظم ماسٹر نسیم انور صاحب،ضلعی رکن مولانا تعریف عالم رحیمی صاحب، بلاک صدر مولانا انوار العابدین فیضی صاحب، بلاک سکریٹری جناب مقصد الرحمٰن صاحب، بلاک خزانچی مولانا عبدالعلیم صاحب، ضلعی جمعیت کے عہدیداران اور بہت سے دوسرے کارکن موجود تھے۔اس طرح سے الحمدللہ یہ دعوتی پروگرام کامیابی سے ہمکنار رہا۔

خبر انتقال: بہت ہی افسوس کہ ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ۱۹/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو مولانا عبدالشکور عمری یمگنوری ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث کرنول کا انتقال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون موصوف کی زندگی دعوت واصلاح کے میدان میں خدمات کرتے ہوئی گزری،مقامی جمعیت اہل حدیث یمگنور کے دیرینہ ذمہ دار رہے کبھی امیر کبھی ناظم کبھی نائب امیر اور فی الحال آپ شہری جمعیت اہل حدیث یمگنور کے امیر اور ضلعی جمعیت اہل حدیث کرنول کے ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے. اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین (ادارہ)

مولانا اسعد اعظمی/جامعہ سلفیہ بنارس

وہ افتخار بزم افاضل نہیں رہا

(شیخ محمد بن عبدالقیوم مدنی بنارسی کی یاد میں)

۱۵/اپریل ۲۰۲۳ء مطابق ۲۳/رمضان ۱۴۴۴ھ کو صبح دس بجے جب یہ خبر ملی کہ شیخ محمد صاحب مدنی بنارسی اس دنیائے دوں کو چھوڑ کر عالم جاودانی کی طرف رخت سفر باندھ چکے ہیں تو دل اس خبر کو قبول کرنے اور برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ سوچا کہ ہوسکتا ہے کوئی غلط فہمی ہو یا ہوسکتا ہے بیماری کی خبر ہو، لیکن جو ہونا تھا ہو چکا تھا، قاضی اجل کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا بلکہ نافذ ہو چکا تھا، خبر کو تسلیم کرنے اور قضا وقدر کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

شیخ کے ساتھ ہماری رفاقت کی تاریخ مکمل دو دہائیوں کو محیط ہے۔ ۲۰۰۳ء میں جب میں نے جامعہ سلفیہ جوائن کیا اس وقت سے ہم دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنے قریب پایا اور اخوت ومحبت کا جو رشتہ استوار ہوا الحمد للہ اس میں کبھی ناہمواری نہیں آئی۔ اخلاص، خیر خواہی، وفاداری، ہمدردی.....الغرض اخوت باہمی کو مضبوطی فراہم کرنے والے تمام اوصاف وخصائل سے آپ متصف تھے۔ رمضان کا مہینہ اور خاص طور سے آخری عشرہ کی مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک میں آپ کو خراج عقیدت نہ پیش کرسکا تھا۔ اس تاخیر کے لیے قارئین سے اور شیخ کے وابستگان سے معذرت خواہ ہوں۔

حالات زندگی: رکارڈ کے مطابق شیخ کی تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۵۵ء ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: محمد بن عبدالقیوم بن عبدالرزاق بن محمد یوسف بن یار محمد بن شیر محمد بن پیر محمد فرنگی۔ آپ کے والد عبدالقیوم جماعت اور سماج کے ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ بڑے ہی مدبر، دور اندیش اور محنتی انسان تھے، یہ سارے اوصاف شیخ کو بھی وراثت میں ملے تھے۔ آپ کو عبدالقیوم لائبریرین کے نام سے بھی جانا جاتا تھا، کیوں کہ بنارس کی مشہور سعید یہ لائبریری مدن پورہ کے آپ انتظام کار تھے، افسوس کہ یہ مشہور زمانہ لائبریری منتظمین کی شدید غفلت وکوتاہی کا شکار ہوکر اپنا وجود کھو بیٹھی۔ جامعہ سلفیہ کی قانونی چارہ جوئی سے متعلق تمام معاملات بھی عبدالقیوم صاحب ہی کے سپرد ہوتے تھے جسے بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ آپ کے پڑوسی اور بنارس کے مشہور شاعر شاد عباسی لکھتے ہیں:

''آپ کے والد کا نام عبدالقیوم تھا جو بڑے جہاں دیدہ آدمی تھے، فرنگی کی ایک شاخ ''محمد ادریس عبدالرزاق'' کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا تعلق اسی خانوادے سے ہے۔'' (مدن پورہ کی انصاری برادری: سماجی پس منظر: ۲/۱۱۵)

شیخ محمد کے پردادا محمد یوسف کے ایک صاحب زادے محمد ادریس تھے، جن کی اولاد میں محمد ہارون، محمد لقمان، محمد شعیب، محمد احمد، محمد صالح، محمد الیاس، محمد مشتاق، محمد ارشاد اور محمد ذاکر ادریس تھے۔ ذاکر صاحب لاک ڈاؤن میں یکم نومبر ۲۰۲۰ء کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ خاکسار سے بڑی محبت رکھتے تھے، ان کی شخصیت پر میرا ایک مضمون جریدہ ترجمان دہلی کی اشاعت ۱۶-۳۰/ستمبر ۲۰۲۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ محمد ادریس کے بیٹے محمد ہارون کے صاحب زادگان میں ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس ہیں اور محمد لقمان کی اولاد میں ڈاکٹر اختر جمال بنارسی (مقیم مکہ مکرمہ) ہیں۔

شیخ محمد صاحب کا اصل نام محمد ابوالقاسم تھا، بعد میں آپ بغیر کسی سابقہ اور لاحقہ کے صرف ''محمد'' کے نام سے جانے جائے لگے، چوں کہ برصغیر ہند میں مفرد نام کا چلن عام نہیں، بلکہ اس طرح کے ناموں کے آگے پیچھے لوگ از خود احمد یا محمد کا اضافہ کر لیتے ہیں اس لیے شیخ کے نام کے ساتھ بھی بڑی کہانیاں جڑی ہیں۔ غالبا سنگل نام ہونے کی وجہ سے ہی آپ ہمیشہ ولدیت کے ساتھ اپنا نام (محمد بن عبدالقیوم یا محمد عبد القیوم) لکھتے، اکثر لوگ یہ سمجھتے کہ اصل نام عبدالقیوم ہے اور محمد کا سابقہ تبرکا لگایا گیا ہے۔ دوسروں کے بارے میں کیا کہوں میں خود اسی غلط فہمی کا شکار ہو چکا ہوں۔ ہوا یوں کہ جامعہ سلفیہ میں اپنے تقرر کے ہفتہ عشرہ کے بعد جب میں نے جامعہ کے کیمپس میں موجود اساتذہ، اسٹاف، ملازمین وغیرہ کا تعارف حاصل کرلیا تو ایک روز حافظ محفوظ الرحمٰن سلفی (لائبریرین) سے میں پوچھ بیٹھا کہ جامعہ کے تمام تدریسی وغیر تدریسی عملے سے تو شناسائی ہوگئی پر یہ شیخ عبدالقیوم کون ہیں ان کو اب تک نہ پہچان سکا۔ انھوں نے حیرت اور استعجاب کے ساتھ میری طرف دیکھا تو میں ان کا ہاتھ پکڑ کر آفس میں آویزاں نظام الاسباق کے پاس لے گیا اور شیخ محمد کے نام پر انگلی رکھ کر استفسار کیا، واضح رہے کہ وہاں بھی ''محمد عبدالقیوم'' ہی تحریر تھا۔ تب جا کر یہ عقدہ کھلا کہ یہ کوئی اور نہیں ہمارے کرم فرما شیخ محمد صاحب ہیں اور عبدالقیوم ان کی ولدیت ہے۔ آپ کی وفات کی خبر جب سوشل میڈیا پر عام ہوئی تو اس وقت بھی بہت سارے یوزر جن میں شیخ کے کچھ شاگرد بھی شامل ہیں اس کنفیوزن کا شکار ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

تعلیم: شاد عباسی لکھتے ہیں: ''آپ کے والد عبدالقیوم صاحب علم کے بڑے

دل دادہ تھے، وہ اپنے تمام بچوں کو عالم بنانا چاہتے تھے، لیکن گھریلو پریشانیوں نے انہیں اس کی اجازت نہ دی۔ لیکن اپنے والد کی یہ تمنا آپ نے پوری کی۔ آپ بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے، بڑے برادران بھی کمانے لگے تھے، اس لیے والد وبرادران نے تعلیمی مصارف برداشت کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہ کی۔ چوں کہ آپ کو خود بھی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا اور والد صاحب بھی ہمت افزائی کررہے تھے، اللہ نے تکمیل کے مرحلے تک پہنچادیا۔'' (مرجع سابق:۲/۱۱۶)

مولانا محمد صاحب اپنے چار بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ جامعہ رحمانیہ مالتی باغ، مدن پورہ (بنون) سے متصل مشہور اہل حدیث مسجد ہے جسے باگڑ بلی مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی مسجد کے پورب گلی میں آپ کا مکان ہے۔ ابتدا سے لے کر عربی کی چوتھی جماعت تک آپ نے جامعہ رحمانیہ میں تعلیم حاصل کی، بعدازاں جامعہ سلفیہ منتقل ہوئے اور عالیت کا کورس (۱۹۷۶ء) میں اور فضیلت کا (۱۹۷۸ء) میں مکمل کیا۔ ۱۹۸۰ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں **كلية الشريعه** میں چار سال تعلیم حاصل کرکے بی اے کی سند حاصل کی۔ فراغت کا سال ۰۳-۱۴۰۲ھ مطابق ۸۳-۱۹۸۲ء ہے۔ سند کے سال میں مقالہ کا موضوع "التقليد والاتباع فى الإسلام" تھا جو (۹۰) صفحات پر مشتمل ہے، اسے آپ نے دکتور علی احمد بابکر کے اشراف میں ترتیب دیا تھا۔

عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے آپ نے ۱۹۷۳ء میں مولوی کا، ۱۹۷۵ء میں عالم کا اور ۱۹۷۹ء میں فاضل دینیات کا امتحان دیا۔

اساتذہ: اس طویل تعلیمی سفر میں آپ نے جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- قاری عبدالوہاب ۲- قاری احمد سعید ۳- ماسٹر عبدالحمید جون پوری ۴- ماسٹر عبدالمنان دارانگر بنارس ۵- مولانا عبدالوحید رحمانی ۶- مولانا عبدالمعید بنارسی ۷- مولانا شمس الحق سلفی ۸- مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی ۹- مولانا عابد حسن رحمانی ۱۰- مولانا عبدالسلام رحمانی گونڈوی ۱۱- مولانا قرۃ العین مبارک پوری ۱۲- مولانا عزیز احمد ندوی ۱۳- مولانا عبدالسلام مدنی ۱۴- شیخ ابوبکر جابر جزائری ۱۵- دکتور محمد بن حمود وائلی ۱۶- دکتور علی احمد محمد بابکر سوڈانی ۱۷- دکتور محمد طلعت ابوصیر ۱۸- دکتور احمد علی ازرق ۱۹- شیخ ربیع بن ہادی مدخلی ۲۰- شیخ عبداللہ غنیمان وغیرہم رحمہم اللہ۔

میدان عمل میں: ۱۹۷۸ء میں جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ میں تدریس کے لیے آپ کا تقرر ہوا، ڈیڑھ دو سال آپ نے یہ خدمت انجام دی کہ مدینہ یونیورسٹی میں آپ کے داخلے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ رحمانیہ سے مستعفی ہوکر آپ نے مدینہ کا رخ کیا اور جامعہ اسلامیہ کا چار سالہ تعلیمی کورس مکمل کیا۔

مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد صفر ۱۴۰۴ھ مطابق نومبر ۱۹۸۳ء میں جامعہ فیض عام مئو میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا، جہاں آپ نے شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق فروری ۱۹۹۲ء تک خدمت انجام دی۔ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب فیضی سابق ناظم اور مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی سابق شیخ الجامعہ کے ساتھ ایک یا دو بار جامعہ کے تعاون کے سلسلے میں کویت کا سفر بھی کیا۔ فیملی کے ساتھ مئو میں رہتے تھے، قاسم پورہ باز کی مسجد کے سامنے گلی میں کرایے کے ایک مکان میں سکونت اختیار کی تھی۔ غالباً کچھ دنوں محلّہ باغچہ میں بھی مقیم رہے۔ مئو-بنارس کے درمیان ٹرین میں سفر کے دوران پیش آنے والے بعض عبرت آموز واقعات اکثر سناتے رہتے تھے۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں: ۱۹۹۲ء میں جامعہ فیض عام کو خیرباد کہہ کر اپنی مادر علمی جامعہ سلفیہ سے وابستہ ہوگئے۔ جامعہ میں شوال ۱۴۱۲ھ مطابق اپریل ۱۹۹۲ء سے آپ نے کام آغاز کیا، میدان عمل میں ایک مدت گزار لینے کے بعد مختلف النوع ذمہ داریوں کو انجام دینے کی بھرپور صلاحیت لے کر آپ نے اپنے آپ کو مادر علمی کے حوالے کیا تھا اور تادم واپسیں اس سے جڑے رہے۔ جامعہ کے درج ذیل شعبوں میں آپ نے خدمت انجام دی:

درس وتدریس: دیگر اساتذہ کی طرح تدریس آپ کی بھی بنیادی ذمہ داری تھی۔ مختلف اوقات میں جو کتابیں آپ کے زیر درس رہیں ان میں سنن ترمذی، مشكلة المصابيح، سنن ابو داود، موطا مالك، بداية المجتهد، اصول الفقه للخلاف، الواضح فى اصول الفقه، الروضة الندية، تسهيل الوصول الى علم الاصول، تحفة اهل الفكر فى مصطلح اهل الاثر، القواعد العربية الميسرة، دروس البلاغه، شرح العقيدة الواسطية وغیرہ شامل ہیں۔ گذشتہ تعلیمی سال کی فصل اول میں سنن ترمذی (عالمیت سال اول) بداية المجتهد (كلية الشريعة سال دوم) الواضح فى اصول الفقه (كلية الدعوة سال اول) اور تاریخ اندلس (كلية الدعوة سال اول) کی تدریس آپ کے ذمہ تھی۔ فصل دوم میں سنن ترمذی (عالمیت سال اول) بداية المجتهد نصف اول (كلية الشريعه سال اول) بداية المجتهد نصف ثانی (كلية الدعوة سال دوم) اور تاریخ اندلس (كلية الدعوة سال اول) کا آپ نے درس دیا۔

ادارۃ الامتحانات: ایک عرصے تک آپ جامعہ کے مدیر امتحانات رہے۔ یہ بہت ہی حساس اور محنت طلب شعبہ ہے، آزمائشوں اور چیلنجوں سے بھرا عمل ہے۔ آپ نے اپنی اصول پسندی اور نظم ونسق کی پابندی کے ساتھ بہ طریق احسن یہ ذمہ داری نبھائی۔ امتحانی پرچوں کی تیاری کا عمل شروع ہوتا تو اپنی ٹیم کے ساتھ فجر کی نماز کے فوراً بعد جامعہ پہنچ جاتے اور کام شروع کردیتے۔ اس طرح امتحان سے متعلق سارا کام وقت پر انجام پاجاتا اور کسی طرح کی افراتفری دیکھنے میں نہ آتی۔ طلبہ اپنی مارکشیٹ اور سند وغیرہ کے مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بڑی

سنجیدگی کے ساتھ ان کی باتیں سنتے اوران کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے۔ ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء میں بوجوہ آپ اس منصب سے مستعفی ہوگئے، البتہ امتحانی کمیٹی کے ایک فعال رکن اور مشیر کی حیثیت سے برابر کام کرتے رہے۔ تقبل اللہ جھودہ۔

شعبۂ الحاق مدارس: ملک کے مختلف علاقوں کے دو درجن سے زائد مدارس کا جامعہ سلفیہ سے الحاق ہے اور یہ مدارس جامعہ کی شاخ شمار کیے جاتے ہیں۔ مئی ۲۰۰۴ء میں الحاق کے عمل کو زیادہ منظم کرنے کی غرض سے ملحق مدارس کے ذمہ داران کے ساتھ جامعہ میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں الحاق سے وابستہ متعدد مسائل پر غور وخوض ہوا۔ اسی موقع پر الحاق کی ایک نئی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے کنوینز مولانا عبد الکبیر مبارک پوری حفظہ اللہ بنائے گئے۔ ممبران میں مولانا محمد مستقیم سلفی (شیخ الجامعہ) مولانا محمد صاحب مدنی اور راقم الحروف کی تعیین عمل میں آئی۔ مولانا محمد صاحب اس وقت سے شعبہ الحاق کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ شعبہ کی میٹنگوں میں پابندی سے حاضری، تبادلۂ خیال میں شرکت، مسائل کے حل میں تعاون اور کارکنان کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش رہتے۔ ملحق مدارس کے اساتذہ وذمہ داران کے ساتھ منعقد ہونے والی بڑی میٹنگوں اور پروگراموں کے موقع پر آپ ایک ذمہ دار قائد کے ساتھ ہی ایک خادم کی حیثیت میں نظر آتے اور اخیر تک پوری ذمہ داری اور دل چسپی کے ساتھ مصروف عمل رہتے۔

تعلیمی کمیٹی: جامعہ کی تعلیمی کمیٹی کے بھی آپ رکن رکین تھے۔ کمیٹی کی وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والی میٹنگوں میں برابر شریک ہوتے۔ تعلیمی سال کے آغاز میں اساتذہ کے ذمہ اسباق کی ترتیب اور جدول سازی بے حد مشکل عمل ہوتا ہے اور وقت اور صبر کا متقاضی ہوتا ہے۔ تعلیمی کمیٹی کے اراکین میں شیخ کو اس معاملہ میں سب سے زیادہ مہارت اور تجربہ تھا۔ بہ ظاہر حل نہ ہونے والے بہت سے مسائل کو بھی آپ اپنے ناخن تدبیر سے حل کر لیتے اور اساتذہ اور ممبران کمیٹی کے لیے راحت کا سبب بنتے۔ نصاب تعلیم سے متعلق آپ کی تجاویز اور مشورے معقول اور قابل قدر ہوتے۔ کمیٹی پر مسلط کیے جانے والے مشوروں یا فیصلوں کو سخت ناپسند کرتے۔

عمید الکلیة: چار پانچ سال قبل جب جامعہ میں مرحلۂ فضیلت کی جگہ تین کلیات (کلیة الحدیث، کلیة الشریعة، کلیة الدعوة) قائم ہوئے تو تینوں کلیات کے الگ الگ عمید مقرر کیے گئے۔ اس موقع پر شیخ محمد رحمہ اللہ کو بھی ایک کلیہ کا عمید منتخب کیا گیا تھا۔ دو تین سال کے بعد تینوں کلیات کے عمداء کی از سر نو تعیین ہوئی، اس وقت تک آپ اس منصب پر برقرار رہے۔

مذکورہ بالا مناصب کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں مختلف ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوتی رہیں، ان کے علاوہ طلبہ کے مقالات کا اشراف، طلبہ کے سالانہ مجلّہ المنار کے مضامین کی جانچ، عربی اردو تحریری مسابقات میں پیش کیے جانے والے مقالات کی جانچ، ہفتہ واری اردو عربی انجمنوں کی صدارت اور اس نوعیت کے بہت سارے کام انجام دیتے رہتے تھے۔ ایک بار ایک بڑی ذمہ داری آپ کے سر ڈالی جا رہی تھی جسے آپ نے قبول کرنے سے معذرت کر لیا۔

امتیازی اوصاف: حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

جامعہ سلفیہ ہی کے کیمپس میں نہیں بلکہ شہر بنارس کے علمی اور سماجی حلقوں میں شیخ منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آپ جامعہ کے طلبہ واساتذہ سے لے کر اپنے وطن اور سماج میں ایک خاص شناخت رکھتے تھے۔ کوئی کروفر نہیں تھا، سراپا سادگی ان کی پہچان تھی۔ نخوت، تعلی، غرور، بڑکپن کا تو تصور ہی نہ تھا۔ خودنمائی اور خودستائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ایسے اوصاف کسی کے اندر دیکھتے تو رنجیدہ ہوتے تھے، علم وفضل سے منسوب بعض اشخاص کی خودنمائی اور خودستائی کی خواہشوں اور کوششوں کو دیکھ کر کڑھتے تھے۔ غیرت اور خودداری کی دولت سے مالا مال تھے۔ سماجی عہدے ومناصب سے دور اور نفور رہنے اور سادگی وگمنامی کی زندگی گزارنے کے باوجود دلوں پر راج کرتے تھے، آپ کے جنازے میں لوگوں کا ہجوم اس کا گواہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کچھ مخصوص اخلاق وعادات کی نشان دہی کر کے ان پر روشنی ڈالی جائے۔

صوم وصلاۃ کی پابندی: صوم وصلاۃ کی پابندی کسی عالم دین کیا کسی عام مسلمان کا بھی امتیازی وصف نہیں، یہ تو ہر کلمہ گو کا فریضہ اور ہر مسلمان کی ڈیوٹی ہے۔ لیکن زوال وانحطاط کے عہد میں ہم اس درجہ کو پہنچ چکے ہیں کہ یہ عمومی سے انفرادی وصف بن چکا ہے اور خال خال افراد کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ مفتی عبد العزیز اعظمی عمری رحمہ اللہ، سابق استاذ جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو اپنے مخصوص ظریفانہ اسلوب میں اکثر کہا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! پہلے کسی کے انتقال پر کہا اور لکھا جاتا تھا کہ ''مرحوم صوم وصلاۃ کے پابند تھے'' لیکن حالات جس رخ پر جا رہے ہیں لگتا ہے اب یہ لکھنا پڑے گا کہ ''مرحوم صوم وصلاۃ کے قائل تھے''۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تو عام آدمی کے تناظر میں یہ بات کہی تھی لیکن پستی کا یہ عالم ہو چکا ہے کہ ارباب جبہ ودستار اور حلقہ اصفیاء وابرار میں بھی اسے امتیازی وصف کے طور پر نشان زد کرنا پڑتا ہے۔

مولانا محمد صاحب سے شناسائی رکھنے والے اور ان کو دور اور قریب سے جاننے والے گواہ ہیں کہ آپ صرف نماز کے نہیں نماز باجماعت کے پابند بلکہ "ورجل قلبه معلق بالمساجد" کی عملی تصویر تھے۔ صلاۃ فجر میں ہماری مسجدوں کا کیا نقشہ ہوتا ہے محتاج بیان نہیں۔ علماء وحفاظ کی بستیوں میں واقع مسجدوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی محرابیں امامت کے لیے کسی عالم، حافظ اور مولوی کو ترس جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چار وناچار پابندی سے حاضر رہنے والے عام مصلیوں میں سے کوئی اس خلا کو پر کرتا ہے۔ پھر جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو کج کلاہوں کی ایمانی غیرت جوش مارتی

ہے اور انہیں اپنا منصب یاد آتا ہے کہ مصلے پر کھڑے ہونے کا حق تو ہم کو حاصل ہے، ورثۃ الانبیاء کا خطاب تو ہمیں ملا ہے، پھر کیا ہوتا ہے، سال بھر یہ ذمہ داری نبھانے والے غریب کنارے لگا دیے جاتے ہیں، ان کی امامت اور قراءت میں کیڑے نکالے جاتے ہیں، ان کے فارغ التحصیل نہ ہونے کی پھبتی اڑائی جاتی ہے، پھر جیسے ہی رمضان ختم ہوتا ہے صورت حال عود کر آتی ہے۔ شیخ ان حالات سے بہت ہی کبیدہ خاطر رہتے تھے، "الذین هم عن صلاتهم ساهون" کی عملی تصویر بنے جگادریوں پر بہت کڑھتے تھے۔ ان کی وفات پر علاقے کے بعض لوگوں نے کہا کہ نماز کا پابند عالم دین ہم سے رخصت ہو گیا۔

اصول پسندی: اصول پسندی شیخ کا خاص وصف تھا۔ ہر کام اس کے وقت پر ذمہ داری سے انجام دینا، وقت مقررہ پر جامعہ پہنچنا اور وقت مقررہ تک کام کرنا، وقت پر درس گاہ میں داخل ہونا اور وقت پورا ہونے تک رہنا، ہفتہ واری انجمنوں میں اور سالانہ مسابقوں میں بھی وقت کی پابندی کرنا، طلبہ کے مقالات کی نگرانی اور اصلاح، اور اسی طرح تمام درسی وغیر درسی کاموں کو وقت پر بلکہ وقت سے پہلے مکمل کر لینا ان کا معمول تھا۔ حاضری رجسٹر ہر ماہ قبل از وقت تیار کر لیتے، جس دن مہینہ مکمل ہوتا اسی دن حاضری جوڑ کر رجسٹر میں درج کر دیتے۔ امتحان کے ایام میں وقت پر امتحان ہال میں پہنچنا اور گروپ نگراں کی حیثیت سے ساری ذمہ داریاں انجام دینا، امتحانی کاپیوں کو وقت مقررہ کے اندر جانچ لینا اور حوالہ دفتر کر دینا..... الغرض آپ کی اصول پسندی ہر چھوٹے بڑے عمل میں نمایاں نظر آتی۔ کوئی غیر درسی عمل کسی وجہ سے ڈیوٹی کے اوقات میں مکمل نہ کر پاتے تو اسے گھر لے جاتے اور اسی دن اس کو نپٹا لیتے، اگلے دن کے لیے نہ ٹالتے۔ اگر کبھی اس طرح کی کوئی چیز گھر لے جانا بھول جاتے تو شام کو آ کر اسے لے جاتے اور اسے مکمل کیے بغیر چین سے نہ بیٹھتے۔

حق گوئی: صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے میں آپ نے کبھی مداہنت سے کام نہ لیا۔ حق بات برملا اور بلاخوف لومۃ لائم کہتے تھے۔ ایسے وقت میں جب کہ ''دین کے قلعوں'' میں چاپلوسی، خوشامد، کاسہ لیسی سکہ رائج الوقت بن چکی ہے، 'چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی' پست طبیعتوں کی فطرت ثانیہ کی شکل اختیار کر چکی ہے، 'باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی' ایک قوم کی شناخت قرار پا چکی ہے، گھٹن کے اس ماحول میں حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی ہمت جٹا پانے والے نہ صرف یہ کہ کم رہ گئے ہیں بلکہ وہ ارباب اقتدار کے غیظ وغضب کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ شیخ موصوف نے کبھی حالات سے سمجھوتہ نہ کیا، دن کو رات اور رات کو دن کہہ کر سامنے والے کو خوش کرنے کا خیال شاید ان کے ذہن میں کبھی نہ آیا ہو۔ حق گوئی کی جو بھی قیمت چکانی پڑی لیکن آپ نے منافقت وتملق کے راستے پر چلنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ گدی نشینوں کے معتوب بنے رہنا گوارہ تھا مگر ضمیر کا سودا منظور نہیں تھا۔

بس مرے لہجے میں جی حضور نہ تھا اس کے علاوہ مرا کوئی قصور نہ تھا
اگر پل بھر کو بھی میں بے ضمیر ہو جاتا یقین مانیے کب کا امیر ہو جاتا

فہم وفراست: قادر خلاق کی طرف سے آپ کو حکمت ودانائی، فہم وفراست اور معاملہ فہمی سے خاص حصہ ملا تھا۔ کسی بھی بات کی تہ تک بہت جلد پہنچ جاتے، ارادوں کو بہت جلد بھانپ لیتے۔ ایک بڑے تعلیمی ادارے سے منسلک رہنے کی وجہ سے آئے دن طرح طرح کے مسائل سامنے آتے تھے، وہ مسائل چاہے ادارے سے متعلق ہوں یا آپ کی ذات سے، ان کا منظر اور پس منظر سمجھنے میں آپ کو دیر نہیں لگتی تھی۔ اگر کسی نے محض آپ کو خوش کرنے کے واسطے کسی غیر حقیقی اور بے بنیاد بات کا سہارا لیا تو خوش ہونے کے بجائے اسے تنبیہ کرتے اور اس کے منصوبوں پر پانی پھیر دیتے۔

جو ہے پردوں میں پنہاں، چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کبھی کوئی خبر ملتی یا کوئی واقعہ رونما ہوتا تو اس کی صحیح تفصیل کیسے اور کہاں سے مل سکتی ہے اس کو خوب سمجھتے تھے اور بہت جلد پورے مسئلے کا خلاصہ کر دیتے جب کہ دوسرے ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے یا بات کو سمجھنے میں شدید مغالطے میں مبتلا رہتے۔

زھد وتقویٰ: اس قدر سادہ وپرکار کہیں دیکھا ہے
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا ہے

صاف ستھرے مگر سادہ لباس میں ملبوس، ظاہری ٹیپ ٹاپ اور رکھ رکھاؤ سے بے نیاز، متانت اور سنجیدگی کا مجسم، حقیقی معنوں میں وہ زاہد ومتقی انسان تھے۔ مجلسوں میں جہاں لوگ دنیا جہان کی ضروری وغیر ضروری باتوں میں مست ومگن رہتے آپ خاموشی سے اپنے کام میں مشغول رہتے، کمال حکمت سے فضول باتوں سے رخ موڑ کر کسی بامقصد موضوع میں لوگوں کو مشغول کر دیتے۔ آثار وقرائن کی روشنی میں کبھی کوئی بات تخمینے سے کہتے اور اس میں کوئی منفی پہلو ہوتا تو پہلے ہی کہہ دیتے کہ یہ میری بدگمانی ہے، ساتھ میں ''واللہ اعلم'' بھی کہتے۔ قرآن کی تلاوت بکثرت کرتے تھے، وفات کے دن اور اس سے پہلے والی رات کا اکثر حصہ تلاوت قرآن ہی میں گزارا۔ سفر میں جب رفقائے سفر بات چیت میں مشغول رہتے آپ اپنے موبائل پر نظریں جمائے رہتے، دیکھنے پر معلوم ہوتا کہ تلاوت میں مصروف ہیں۔ نفلی روزوں کا بہت اہتمام کرتے، عید الفطر کا دن گزار کر عیدی روزے شروع کر دیتے، دیگر مسنون روزوں کو بھی فوت نہ ہونے دیتے۔

جذبہ انفاق: ملازمت پیشہ ہونے اور محدود آمدنی کے باوجود ضرورت مندوں کا خیال رکھتے اور ان کو امداد بہم پہنچاتے۔ اس عمل میں بھی "حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه" کا مصداق بنتے۔ جو لوگ آپ کی اس خصلت کریمانہ سے واقف تھے وہ عند الضرورۃ آپ کی طرف رجوع کرتے اور فائز المرام ہوتے۔

حاجت مندوں کو قرض حسن بھی دیتے تھے اور آڑے وقت میں لوگوں کے کام آتے تھے۔ آمد وخرچ کا حساب اہتمام کے ساتھ قلم بند کرتے، اور زکاۃ کی ادائیگی وقت پر کرتے۔ وفات سے ایک یا دو روز قبل مولوی معین الدین صاحب سلفی جو بنارس میں جامعہ کا تعاون وصول کررہے تھے ان کو باگڑ بلی مسجد میں دیکھا تو اپنے گھر لے گئے اور دیر تک بات چیت کرتے رہے، اسی مجلس میں ایک اچھی رقم جامعہ کے لیے عطا کی۔ سال میں ایک دو بار احباب کو گھر پر مدعو کرتے اور پرتکلف کھانا کھلاتے۔ چار پانچ سال قبل تک آپ کا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک دو بار شام کو بعد نماز مغرب جامعہ تشریف لاتے، دوستوں کے ساتھ بیٹھتے اور مختلف موضوعات پر گفت وشنید ہوتی۔ گھر سے آتے ہوئے اکثر راستے سے کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ میں لاتے، یعنی مہمان کی شکل میں میزبان بن کر آتے۔ عید وبقرعید کی چھٹیاں گزار کر جب ہم لوگ جامعہ پہنچتے تو آپ کے یہاں سے سویّوں کا تحفہ موصول ہوتا۔

دعوتی خدمات: روایتی جلسوں اور لچھے دار تقریروں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ شہر کی مسجدوں میں جمعہ کے خطبے کے لیے آپ کو مکلّف کیا جاتا تو یہ ذمہ داری قبول کرتے، دس بارہ سال قبل تک جامعہ میں ایک ایمبیسڈر گاڑی ہوا کرتی تھی، اس کے ذریعہ اکثر وبیشتر ہم لوگ جمعہ کے خطبے یا دعوتی پروگراموں کے لیے شہر اور اطراف شہر- بھدوہی، جون پور، لوہتہ- وغیرہ کا سفر کرتے اور مختلف مساجد کا انتخاب کرکے خطبہ اور درس دیتے۔ شیخ محمد صاحب سے درخواست کی جاتی تو وہ بھی شریک ہوتے۔ افسوس کہ گاڑی نہ رہنے سے یہ مفید سلسلہ موقوف ہوگیا، البتہ انفرادی سطح پر کام جاری ہے۔ جامعہ کی مسجد میں خطبہ جمعہ کے لیے میں آپ سے درخواست کرتا تو یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ میں اس لائق نہیں۔ نیمیہ مسجد، سدانند بازار بنارس میں ایک عرصے تک ہفتہ واری درس بھی دیتے رہے۔

تحریری عمل سے خاص شغف نہیں تھا اور شاید تدریسی وغیر تدریسی مصروفیات بھی مانع رہیں۔ آپ کے کچھ مقالات ومضامین کا تذکرہ ملتا ہے جن میں ''جوا''، ''لاٹری''، ''پڑوس کے حقوق''، ''والدین کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر مضامین ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آخری تعلیمی سال میں "التقليد والاتباع في الإســـلام" پر عربی زبان میں مقالہ لکھا تھا۔ بعض مضامین کتابچے کی شکل میں جمعیۃ الشبان المسلمین کی جانب سے شائع ہوچکے ہیں جن میں سے ایک ''پردہ: مسلم خواتین کا شعار'' کے عنوان سے اور ایک ''زبان کی حفاظت'' کے عنوان سے ہے۔

باگڑ بلی مسجد جو آپ کے مکان سے قریب ہے اور جس کے آپ مصلی تھے اس مسجد میں عصر اور مغرب کی امامت آپ کے ذمہ تھی جسے نہ صرف یہ کہ پوری پابندی سے آپ نبھاتے تھے بلکہ بقیہ اوقات کے ائمہ کی غیر موجودگی میں بھی بالعموم آپ ہی ان کی نیابت کرتے تھے۔ اس مسجد میں بھی بسا اوقات آپ جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ اس مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے آپ رکن رکین بھی رہے۔

فرمودات واحساسات: سطور ذیل میں شیخ کی تحریروں کے کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن سے ان کی ترجیحات اور ان کے جذبات واحساسات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سال ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء میں جامعہ سے فارغ ہونے والے طلبہ نے اپنی فراغت کے موقع کو یادگار بنانے کے لیے ایک ڈائری شائع کرنے کا فیصلہ کیا، اس ڈائری کے لیے انھوں نے اپنے اساتذہ سے تاثرات لکھنے کا مطالبہ کیا۔ شیخ نے اس موقع پر عربی زبان میں اپنے قیمتی نصائح درج فرمائے۔ ''بساط بزم یاراں'' کے نام سے شائع اس ڈائری سے شیخ کے تاثرات نقل کیے جارہے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على النبي الأمين، الذي لا نبي بعده، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

فأيها الإخوة الطلاب المتخرجون، أحييكم بتحية الإسلام

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

سوف تبدؤون أنتم حياتكم العملية أو العلمية بالتعليم العالي بعد التخرج في هذه الجامعة الموقرة، فعليكم الاهتمام البالغ لفلاحها بالسعادة الحقيقية التي هي الهدف الوحيد لكل منكم فيها، وقد اختلفت الآراء في مفهوم السعادة وكيف تتحقق، فهناك من يرى أنها تتحقق بجمع الأموال وتنميتها، والبعض يراها في صحة الأبدان والأمن في الأوطان، ومنهم من يراها في الرزق الحلال وتحصيل العلم النافع، ومنهم من يراها في مفهوم السعادة ما دام متفقا مع القواعد والضوابط الشرعية.

إذ السعادة منقسمة إلى قسمين: ١- سعادة دنيوية موقتة محدودة بعمر قصير، ٢-وسعادة أخروية دائمة لا انقطاع لها ولا حدود، وكلاهما متلازمتان مقترنتان ببعضهما، فسعادة الدنيا مقرونة بسعادة الآخرة، والحياة الطيبة السعيدة الكاملة في الدنيا والآخرة إنما هي برضى الله للمؤمنين المتقين، حيث قال عز من قائل: ﴿من عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون﴾ (النحل)

أيها الإخوة المتخرجون، ترون ما هي السعادة كلها وكيف تتحقق، وما هي الشقاوة كلها وكيف نحذرها؟ إن السعادة مجموعة

في طاعة الله سبحانه وطاعة رسوله الكريم محمد النبي الأمين ﷺ كما أن الشقاوة كلها مجموعة في معصية الله ورسوله حيث قال تعالى: ﴿ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾ وقال تعالى: ﴿ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما﴾ (الأحزاب) فقد عرفتم أن راحة القلب وسروره وزوال همومه وغمومه هو الغرض الأصلي والهدف الأسمى لكل أحد منكم وبه تحصل الحياة السعيدة ويتم السرور والابتهاج، ولها أسباب دينية وطبيعية وعملية، ولا يمكن اجتماعها كلها إلا للمؤمنين، وأنتم أيها الإخوة المتخرجون أحق بها فاجتهدوا لها اجتهادا بالغا واسعوا إليها سعيا كاملا.

وفقني الله إياي وإياكم وجميع المؤمنين لهذه السعادة الحقيقية، آمين، تقبل يا رب العالمين.

والسلام عليكم

أخوكم في الله والمدرس بالجامعة

محمد عبد القيوم

۹/رجب ۱۴۲۹ھ

(بساط بزم یاراں،ص:۱۸۔۱۹)

شہر بنارس کے نامور شاعر شاد عباسی صاحب نے اپنی کتاب ’’مدن پورہ کی انصاری برادری‘‘ کے دوسرے حصے کو علاقے کے کچھ علماء، شعراء اور کچھ نامور شخصیات کے تذکرے کے لیے مختص کیا، علماء کے لیے شاد صاحب نے ۴۷/نقاط پر مشتمل ایک سوال نامہ تیار کیا اور ان سے جواب طلب کیا، اسی جواب کی روشنی میں ان کا سوانحی خاکہ مرتب کیا۔ بعض سوالات علماء کی حیثیت اور ان کے کردار کے بارے میں بھی ہیں۔ اسی طرح کے کسی سوال کے جواب میں شیخ محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’آج کل بلکہ صدیوں سے علماء کے دو گروپ رہے ہیں، ایک متدین عالم دوسرے علمائے سوء۔ آج کل تو علمائے سوء کی کثرت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ تعلیمی دور کی دس سالہ تربیت کے بعد ان پر کم ہی دینی رنگ چڑھتا ہے، فارغ ہوتے ہیں تو کلین شیو رہتے ہیں، پھر اپنی وضع قطع مکمل طور سے بدل دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اپنا حلیہ اس طرح بنائیں کہ ان پر کوئی ملا مولوی کی پھبتی نہ کس سکے۔ دینی شعائر، نماز، روزہ ترک کردیتے ہیں۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر عوام علماء سے بدگمان ہوگئے ہیں اور ان کی حیثیت وہ نہیں رہ گئی ہے جو ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس صالح علماء کی قدر وعزت آج بھی برقرار ہے۔ میرے نزدیک قوم کے دوسرے افراد کی طرح آج بیشتر علماء کو قوم وملت کی رہنمائی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے اور حق تو یہ ہے کہ ان کے اندر خلوص، تقویٰ اور دیانت داری نہیں ہے۔‘‘ (مدن پورہ کی انصاری برادری:۲/۱۱۷)

شاد صاحب کا ایک سوال اس طرح تھا:

’’آپ اپنی برادری کے ان روایات ورسومات کا ذکر کریں جو دین کے مطابق درست نہیں ہیں، لیکن عام آدمی اس پر عمل پیرا ہے، کیا کبھی ایسے رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟‘‘ (۲/۳۱)

اس سوال کا مختصر اور جامع جواب شیخ کی جانب سے اس طرح دیا گیا تھا:

’’ہر وہ رسم جو اسلام کے خلاف ہے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی وہ بدعت وگمراہی ہے، اس کا مشاہدہ مدن پورہ کا ہر فرد کرسکتا ہے، شمار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کوشش میں تو اللہ کے فضل وکرم سے ہم پتھر اور گالیاں کھاتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے اسے اپنے لیے شرف سمجھتے ہیں۔‘‘ (۲/۱۲۰)

ازدواجی زندگی: مدینہ یونیورسٹی سے تعلیم کی تکمیل کے بعد جب آپ وطن لوٹے اور جامعہ فیض عام مئو میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینی شروع کی تو ان ہی دنوں ۵/فروری ۱۹۸۴ء کو آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ علاقے ہی کی ایک صابر وشاکر خاتون آپ کے عقد میں آئیں اور ان کے بطن سے اللہ رب العزت نے ۲/بیٹے اور ۳/بیٹیاں مرحمت فرمائیں۔ آخری بیٹے کے علاوہ سب کی شادی سے سبک دوش ہوچکے تھے اور نواسے نواسیوں اور پوتوں کے بیچ خوش وخرم رہتے تھے۔ دو بیٹوں میں بڑے حافظ حفظہ اللہ ہیں جنہوں نے جامعہ سے حفظ قرآن کی تکمیل کی، اس کے بعد جامعہ ہی سے تجوید وقراءت کا دو سالہ کورس کیا۔ چھوٹے بیٹے مولوی فضالہ ہیں۔ آپ نے جامعہ رحمانیہ میں پرائمری کی تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ سلفیہ سے متوسطہ سال اول سے لے کر فضیلت سال آخر تک کا دس سالہ کورس مکمل کیا۔ تین چار سال قبل فارغ التحصیل ہوئے، اس وقت کاروبار میں مصروف ہونے کے ساتھ جمعہ کے خطبے اور کچھ دعوتی کاموں سے بھی جڑے ہیں اور شادی خانہ آبادی کے منتظر ہیں۔

علالت اور وفات: ابھرتے ہوئے قد اور معتدل جسمانی ساخت کے مالک شیخ محمد صاحب صحت منداور چاق وچوبند رہتے تھے۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد چہل قدمی کے لیے دور تک نکل جاتے تھے۔ گھر سے جامعہ آنے جانے میں پیدل چلنے کو ترجیح دیتے تھے، جب کہ آپ کے آس پاس کے آپ کے ہم عمر کئی لوگوں کو دیکھا جاتا کہ انہیں سواری کی تلاش ہوتی۔ مرض وصحت کے مسائل سے دوچار ہوتے تو مرض کو زیادہ اہمیت نہ دیتے، بوقت حاجت ایک دوخوراک دوا لینے پر اکتفا کرتے۔ مرض کی وجہ سے اگر جامعہ آنا مشکل ہوتا تو چھٹی لے لیتے، لیکن اکثر دیکھا جاتا کہ دو تین گھنٹے گذرنے کے بعد جامعہ آوارد ہوتے، پوچھنے پر کہتے کہ گھر پر پڑے پڑے بوریت محسوس ہونے لگتی ہے، تھوڑا سا افاقہ محسوس ہوا تو چلا آیا۔ ادھر دو

تین سالوں سے دیکھا جا رہا تھا کہ بہت کم وقفے سے عوارض کی ضد میں آ رہے تھے، لیکن حسب معمول انہیں جھیلتے رہتے اور خوش وخرم دکھائی دیتے۔ احباب آپ سے چیک اپ اور باقاعدہ علاج کے لیے کہتے تو خاطر خواہ توجہ نہ دیتے۔ تنفس کی شکایت پہلے سے تھی جو تقریباً ایک سال سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ گذشتہ تعلیمی سال میں دیکھا جاتا کہ کبھی کبھی جامعہ پہنچنے پر کسی مناسب جگہ جا کر کچھ دیر کے لیے لیٹ جاتے، پھر اٹھ کر معمول کے مطابق کام شروع کر دیتے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ تنفس کا معاملہ نہیں تھا بلکہ عارضہ قلب کا پیش خیمہ تھا۔

رمضان میں وفات سے دو تین روز قبل سے سینے میں تکلیف اٹھتی اور کم ہوجاتی۔ ۲۳/ویں رمضان کی شب قدر میں جب آپ گھر پر ہی عبادت وریاضت میں مصروف تھے تکلیف کا احساس ہوا۔ بچوں نے علاج کے لیے کہیں لے جانا چاہا مگر راضی نہ ہوئے، کچھ راحت محسوس ہوئی تو پھر تلاوت اور ذکر واذکار میں مصروف ہوگئے۔ وقت ہوا تو سحری کھائی، فجر کی نماز کے لیے مسجد جانے کی پوزیشن میں نہ ہونے کی وجہ سے گھر پر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد پھر تلاوت میں مصروف ہوگئے۔ اہل خانہ آپ کو پرسکون دیکھ کر مطمئن تھے۔ شب قدر میں بیداری کی وجہ سے جلد ہی سب لوگ نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔ صبح ۹ اور ۱۰ کے بیچ آپ کی اہلیہ کی اچانک آنکھ کھلی تو آپ کو شدید اضطراب کی حالت میں دیکھا، فوراً بچوں کو جگایا، لیکن یہ صورت حال دیر تک قائم نہ رہی اور جلد ہی یہ صائم وقائم انسان ہر طرح کے الم واضطراب سے سکون پا کر ابدی نیند میں چلا گیا، بچے فوراً ڈاکٹروں کو لے آئے جنہوں نے چیک کرنے کے بعد اعلان کر دیا کہ اب آپ آخرت کے راہی ہو چکے ہیں۔ فاناللہ وانا الیہ راجعون۔

بعد نماز مغرب نگینہ والی مسجد کے پاس وسیع وعریض میدان میں آپ کے بھتیجے حافظ عبدالرحیم سلفی کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور ریوڑی تالاب میں واقع آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اہل علم کے تاثرات: آپ کی وفات پر اہل علم نے اپنے غم والم کا اظہار کیا ہے اور آپ کو خراج عقیدت پیش کی ہے جن میں سے بعض کا تذکرہ سطور ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) مولانا اصغر علی مدنی، امیر جمعیت اہل حدیث ہند لکھتے ہیں:

’’مولانا محمد عبدالقیوم مدنی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، آپ بڑے خلیق وملنسار، دوربیں اور معاملہ فہم انسان تھے۔ ایک مدت تک جامعہ کے مدیر الامتحانات کے منصب پر فائز رہے۔ آپ نے جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تحصیل علم کے بعد عملی زندگی کا آغاز شمالی ہند کی معروف دینی دانش گاہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے کیا جہاں آپ ایک مدت تک مدرس رہے، پھر مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبہ تعلیم وتربیت سے وابستہ ہوگئے اور یہ سلسلہ تادم واپسیں جاری رہا....‘‘

(۲) ڈاکٹر عبدالغنی قوفی، جامعہ سراج العلوم (نیپال) لکھتے ہیں:

’’آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے مایہ ناز استاذ، ایک بھرپور باوزن اور باوقار علمی شخصیت کے حامل شخص تھے...شیخ جامعہ کے ماہر اساتذہ میں سے تو تھے ہی ساتھ ہی ادارتی امور میں بھی ادارے کو شروع سے ہی اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچاتے رہے۔ آپ کے ساتھ تقریباً دو سال کام کرنے کا موقع ملا۔ بہت ہی ملنسار، ہنس مکھ، متحمل مزاج شخص تھے۔ بذلہ سنجی اور ظرافت طبیعت کا حصہ تھی، امتحانات سے متعلق سارے امور اس زمانے میں آپ ہی دیکھتے تھے، یہ شعبہ کسی بھی ادارے کا بڑا صبر آزما شعبہ مانا جاتا ہے لیکن انہوں نے پورے تحمل، بردباری اور صبر وحوصلہ مندی سے اس شعبہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نہ صرف ادا کیا بلکہ اسے نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ اس وقت بقیہ مواد کے ساتھ مشکاۃ کی تدریس بھی آپ کے ذمہ تھی، طلبہ طریقہ تدریس سے بہت متاثر تھے، کافی سراہے جاتے تھے...‘‘

(۳) مولانا راشد حسن مبارک پوری، استاذ جامعہ فیض عام مئو فرماتے ہیں:

’’مسائل شریعت پر گہری دستگاہ، نیک، خدا ترس، پرہیز گار، شریف النفس، متواضع، شہرت طلبی سے متنفر، انداز تفہیم اعلیٰ، صاف گو، بلا خوف لومۃ لائم بات کہہ دینے والی عظمت چل بسی...‘‘ انتہی۔

اللہ رب العزت آپ کی حسنات کو قبول فرمائے، لغزشوں پر قلم عفو پھیر دے، قبر کو نور سے بھر دے اور جنت میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ آمین۔

مکتبہ ترجمان کی باوقار پیشکش

نکاح نامہ رجسٹر

☆ کتاب وسنت کی روشنی میں تیار شدہ

☆ مارکیٹ میں دستیاب تمام نکاح ناموں سے منفرد۔

☆ نکاح سے متعلق بنیادی احکام ومسائل سے آراستہ

☆ نہایت دیدہ زیب اور آرٹ پیپر پر طباعت

☆ ہر مسجد ومدرسہ کی بڑی ضرورت۔

اوراق:150 قیمت:Rs.200/-Net

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے : (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

خوشخبری

خوشخبری

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا

کلینڈر 2024

جاذبِ نظر، خوشنما، ہر صفحہ اسلامی تعلیمات سے مزین، قابل دید
قرآنی آیات سے آراستہ اور اہم معلومات سے پُر کلینڈر
چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔

اپنا آرڈر پیشگی بک کرائیں۔

مکتبہ ترجمان

Ahle Hadees Manzil 4116, Urdu Bazar
Jama Masjid, Delhi-110006

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292
Ph:011-23273407,Fax:011-23246613